اسلامی بینکاری

ایک حقیقت پسندانہ جائزہ

تحریر
مولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات
کراچی۔ لاہور

قال عثمان رضی اللّٰہ عنه

"اِنّکم إلی إمام فعال أحوج منکم إلی إمامٍ قوال"

(تفسیر القرطبی ۱۸:۱۱۵)

اسلامی بینکاری

ایک حقیقت پسندانہ جائزہ



ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

ادارہ اسلامیات کراچی ، لاہور

کتاب: اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ
مؤلف: ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
ناشر: ادارہ اسلامیات کراچی ۔ لاہور
کمپوزنگ: طلحہ کمپیوٹر کمپوزنگ
سن اشاعت: شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ، ستمبر ۲۰۰۶ء

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

☆ادارہ اسلامیات — موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی فون: ۲۷۲۲۴۰۱
☆ادارہ اسلامیات — ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان فون: ۷۵۳۲۵۵
☆ادارہ اسلامیات — دینا ناتھ منشن مال روڈ، لاہور فون: ۷۳۲۴۴۱۲

ملنے کے پتے:۔

ادارۃ المعارف: ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم: جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
دارالاشاعت: ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر ۱
بیت القرآن: اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب: نزد اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
بیت العلوم: ۲۶ نابھہ روڈ لاہور
ادارہ تالیفات اشرفیہ: بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارہ تالیفات اشرفیہ: جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

فہرست عنوانات

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم

استاذ الحدیث ونائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصاً علی سیدنا محمدنِ المصطفیٰ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

امّا بعد!

اس میں کیا شبہ ہے کہ دینِ اسلام صرف نظریاتی دین نہیں بلکہ عملی دین ہے اور دنیا وآخرت درست کرنے کے لئے اس کی جامع ہدایات زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ ترین راہِ اعتدال کی مظہر ہیں۔

حاملینِ دینِ متین، فقہاء امت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ توحید پر مبنی یہ دینِ حنیف محض ایک نظریہ بن کر نہ رہے بلکہ عملی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا نفاذ ہو، زندگی کے تمام معاملات قرآن وسنت کے نور سے منور رہوں تاکہ لوگوں کی دنیا وآخرت درست ہوسکے۔ اس مقصد کے لئے فقہاءِ امت نے جسمانی تکلیفیں اٹھا کر اور مشقتیں برداشت کرکے قرآن وسنت کی عملی تطبیق کے راستے امت کے سامنے کھول کھول کر بیان کئے تاکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اقامتِ دین کا فریضہ ادا کیا جاسکے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ کے شاگردِ رشید، اور امام شافعیؒ کے استاذِ مکرم ''امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ'' جو فقہ حنفی کے جامع بھی ہیں اور فقہاءِ امت کے سلسلۃ الذھب کی مؤثر ترین کڑی بھی، انہوں نے بھی اپنے دور میں شرعی مسائل کی عملی تطبیق کیلئے یہ مشقت برداشت فرمائی۔ چنانچہ علامہ زاہد کوثریؒ نے اپنی کتاب ''بلوغ الامانی'' میں ''مناقب کردی'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حسن بن شہوب فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد بن الحسن کو دیکھا ہے وہ سناروں کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے معاملات کے بارے میں ان سے پوچھتے کہ وہ آپس میں معاملات کس طرح انجام دیتے ہیں (بلوغ الامانی، ص:۴۴)

فقہاءِ امت کے اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہیں جنہوں نے سودی بینکاری کے معاملات کو گہرائی کے ساتھ جاننے اور سمجھنے کے بعد قرآن وسنت کے شرعی احکام کی عملی تطبیق پر مبنی اسلامی بینکاری کو حقیقت کی شکل دینے میں اپنی توانائیاں صرف فرمائیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ الحمد للہ آج پوری دنیا میں اسلامی بینکاری کی عملی شکل سب مسلمانوں کے سامنے ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ سودی بینکاری کا نظام دو سو سال پرانا ہے جبکہ اسلامی بینکاری کے نظام کو ابھی بیس پچیس سال بھی نہیں گذرے، یہ ابھی اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہے اسلئے اس میں ابھی مزید سے مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے لیکن اس کے باوجود اس کا وجود مسلمانوں کیلئے رحمت کا باعث ہوا ہے اور ان اکاؤنٹ ہولڈروں، تاجروں اور سرمایہ کاروں کیلئے جو حرام سے بچ کر حلال

کے دائرہ میں کام کرنا چاہتے ہیں، جائز اور حلال سرمایہ کاری کا ایک میدان کھل گیا ہے جو انشاء اللہ روز بروز وسعت اختیار کرتا جائیگا۔

غیر سودی بینکاری کے اس نظام کو جہاں عالمِ اسلام کے علماء، فقہاء اور عامۃ المسلمین میں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی، وہاں اس پر بعض حلقوں کی طرف سے تنقید بھی کی جارہی ہے۔ زیادہ تر تنقید تو ان لوگوں کی طرف سے ہے جو سودی نظام کے عادی ہو چکے ہیں اور کنونشنل بینکنگ کا نظام ان کے مزاج و مذاق میں اس طرح رس بس گیا ہے کہ وہ اُسے چھوڑ کر اسلامی بینکاری سے متعلق فقہی شرائط کو پورا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرض اور سود کا آسان اور پرانا سسٹم اسی طرح چلتا چلا جائے اور انہیں کچھ تبدیلی نہ کرنی پڑے۔

دوسری تنقید ان بعض حضرات کی طرف سے ہے جنہیں کنونشنل بینکنگ اور پھر اس کے مقابلہ میں غیر سودی اسلامی بینکاری کے عملی فرق کا پوری طرح اندازہ نہیں اور نہ اس کی عملی تطبیق ان کے سامنے ہے یا پھر انہیں متبادل غیر سودی شرعی طریق کار کی بعض شقوں پر اعتراض ہے۔

اس قسم کی تنقیدات کو ہمیشہ توجہ سے سنا اور پڑھا گیا ہے اور اس میں کوئی بات اگر عملی طور پر قابل قبول ہوئی تو اسے قبول کرنے سے بھی کبھی پرہیز نہیں کیا گیا لیکن کسی مضمون یا تحریر کے ذریعہ اس کا جواب دینے کی کوشش ابتک نہیں کی گئی غالباً اس کی دو وجہیں ہیں۔

اوّلاً: جو حضرات تنقید فرماتے ہیں اور مخلص ہیں تو ان کیلئے زبانی یا تحریری تنقید سے کہیں بہتر صورت یہ ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کیلئے سودی بینکنگ کا متبادل

شرعی نظام خود عملی طور پر قائم فرمائیں تاکہ ان کے مثالی نمونہ کی پیروی کی جاسکے۔

ثانیاً: اکثر تنقیدیں علمی سطح سے نیچے اتر کر ذاتیات کے دائرہ میں آجاتی ہیں اور لہجہ اور بیان کے اعتبار سے سلف صالحین کے طریقہ سے پست تر ہوتی ہیں۔

لہذا اب تک ان تنقیدات کو بغور سنا اور پڑھا تو گیا مگر جواب دینے کی طرف توجہ نہیں کی گئی ،لیکن اسلامی بینکاری روز بروز جس طرح وسیع تر ہو رہی ہے عام مسلمان سود سے بچ کر متبادل شرعی نظام کی طرف جس تیزی سے متوجہ ہو رہے ہیں اس کی بناء پر اب ضرورت پیش آرہی تھی کہ اگر کوئی علمی شبہات ہوں تو ان کی وضاحت کردی جائے ۔الحمد للہ کہ عزیز مکرم مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب سلّمہٗ وزید مجدہم استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی نے ان شبہات کے بارے میں یہ مختصر مگر جامع تحریر مرتب کی ہے جس میں اسلامی بینکاری کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔

امید ہے کہ اس تحریر سے قارئین کے شبہات کا ازالہ ہوگا اور عملی طور پر اسلامی بینکاری جن مراحل سے گذر رہی ہے اس کی صحیح حقیقت بھی ان کے سامنے آئیگی۔

اللہ تعالی اس تحریر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور کام کرنے والوں کو اسلامی بینکاری شریعت کے مطابق مثالی اور بہتر سے بہتر بنانے کی توفیق سے بھی نوازیں ۔آمین

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۶/۸/۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی بینکاری ۔ ایک حقیقت پسندانہ جائزہ

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔

امّا بعد!

مقامِ مسرّت:

یہ بات باعثِ مسرّت ہے کہ وطن عزیز سمیت پوری دنیا میں اسلامی بینکاری کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف نئے اسلامی بینک قائم ہو رہے ہیں بلکہ پہلے سے موجود کنوینشنل بینک بھی اپنے ہاں اسلامی بینکاری کے شعبے (Departments) قائم کر رہے ہیں ۔اس تبدیلی سے نہ صرف اس بات کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام وہ واحد دینِ حق ہے جو چودہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی پیش آنے والے نت نئے مسائل کی رہنمائی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے بلکہ یہ حوصلہ افزا پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ اب مسلمانوں نے اپنی

عملی زندگی کو صرف مسجد ومحراب تک محدود رکھنے کے بجائے زندگی کے دیگر شعبوں خصوصاً مالی معاملات میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

تیز رفتار تبدیلیاں:

یہ ایک حقیقت ہے کہ وقت کا دھارا تیزی سے بدل رہا ہے اور اس میں روز بروز انقلابی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں شاید زندگی کا کوئی میدان بھی ایسا نہ ہو جس میں جدّت رونما نہ ہوئی ہو۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آنے والی تبدیلیاں تو ہیں ہی ایسی کہ کسی فردِ بشر کے لئے ان کا انکار کرنا ممکن نہیں لیکن زندگی کے دوسرے شعبے بھی انقلاباتِ زمانہ سے خالی نہیں رہے۔ معیشت کے میدان میں جو پیچیدگی اس دور میں رونما ہوئی ہے، ماضی کے انسان کے لئے اس کا تصور بھی مشکل تھا۔ بیع الخیارات (Option Sale)، عقود المستقبلیات (Future Sale) حاضر اور غائب سودے (Forward Sale) اور تعیینِ قیمت کے لئے بینچ مارک (Bench mark) کا استعمال اور ان جیسے سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جو عصرِ حاضر کی پیداوار ہیں۔

بینکنگ کا موجودہ نظام بھی معیشت میں آنے والی جدّت کا نتیجہ ہے۔

علماءِ کرام کی ذمہ داری:

دینِ اسلام ایک ابدی اور قیامت تک رہنے والا دین ہے، اس میں مختلف اشیاء وافعال پر حلال وحرام یا جائز وناجائز کے ہونے کا حکم ان کی حقیقت وماہیت کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے، جدّت وقدامت کی بنیاد پر نہیں، کوئی معاملہ خواہ

کتنا ہی قدیم کیوں نہ ہو اگر وہ شرعی اصولوں سے متصادم ہے تو ناجائز قرار پائیگا اور ایک بالکل جدید مسئلے میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اسے جائز سمجھا جائیگا۔

اگر کسی جدید مسئلے میں کوئی ایسا عنصر موجود ہو جس کی وجہ سے وہ شرعی قواعد وضوابط کے مطابق جائز قرار نہ پاتا ہو تو اس صورت میں علماء خصوصاً مفتیانِ کرام کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ وہ اسے ناجائز کہہ کر الگ ہوجائیں بلکہ ان حالات میں ان کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کام کو حرام اور ناجائز کہنے کے بعد یہ بھی بتلائیں کہ اس کا متبادل جائز راستہ کیا ہے؟ متبادل جائز راستہ بھی ایسا ہونا چاہئے جو قابلِ عمل ہو۔

اس کی دلیل حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جسے قرآن کریم میں بیان کیا گیا کہ جب قید خانے میں ان کے پاس بادشاہ کی طرف سے ایک آدمی آیا اور بادشاہ کا خواب سنا کر اس کی تعبیر پوچھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتلائی کہ سات سال کا قحط آنے والا ہے البتہ ساتھ ساتھ اس قحط سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتادیا۔ فرمایا کہ:

فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ الّا قلیلاً
ممّا تأکلون۔ [یوسف: ۴۷]

ترجمہ: پس جو تم کاٹو اس کو چھوڑ و اس کی بال میں
مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ عصرِ حاضر میں علماءِ کرام کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ وہ موجودہ بینکنگ

کے نظام کو ناجائز اور حرام کہہ کر الگ ہو جائیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ اس کا قابلِ عمل متبادل بھی تلاش کریں۔ لیکن ...... قابلِ عمل متبادل کا پیش کرنا اس وقت تک آسان نہیں جب تک کہ موجودہ بینکاری نظام کا گہرائی سے مطالعہ بلکہ عملی مشاہدہ نہ کرلیا جائے۔ اگر دور دور سے دیکھ کر اس کا متبادل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ ایک تاریخی غلطی ہوگی۔

بہت بڑا المیہ:

ہمارے دور کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم حقائق کی تہہ میں جا کر اسے سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے سرسری نظر سے اس کے مطالعے کو کافی سمجھتے ہیں اور اگر کسی واقعاتی نظر رکھنے والے انسان سے ہمارا نقطۂ نظر مختلف ہو جائے تو اسے ہدفِ تنقید بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ گویا "نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے" کا نعرہ لگا کر میدان میں کود پڑتے ہیں جس کی وجہ سے سوائے افراتفری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس پر مشہور لطیفہ یاد آیا۔ ایک مشہور آرٹسٹ نے، جنہیں اپنے فن میں ماہر ہونے پر بہت اعتماد تھا، ایک خوبصورت تصویر بنا کر شہر کے چوک میں لگادی اور نیچے یہ اعلان بھی لکھ دیا کہ "جو شخص اس میں کوئی خرابی پائے، وہ اس کی نشاندھی کردے" شام کو جب تصویر کے پاس پہنچے تو اس پر سوائے نشانوں کے کچھ نہ ملا۔ حیرت سے انگشت بداں، لیکن جلد ہی انہیں ایک دوسری ترکیب سوجھی۔ اگلے روز پھر وہی تصویر بنا کر اسی جگہ لگائی لیکن آج کا اعلان مختلف تھا۔ آج کے اعلان میں یہ دعوت دی گئی کہ جو شخص اس میں کوئی خرابی پائے، از راہ کرم وہ اس کی اصلاح کردے، شام کو تصویر صحیح سالم ملی !!!

چاہئے تو یہ تھا کہ جن علماءِ کرام نے شبانہ روز انتھک محنت کر کے موجودہ بینکنگ کے نظام کو سمجھا اور اس کا قابلِ عمل جائز متبادل پیش کرنے کی کوشش کی، ان کا دست و بازو بن کر ان کے ساتھ تعاون کیا جاتا۔ اگر ان کے پیش کردہ متبادل میں کہیں خامی نظر آتی تو خیر خواہانہ انداز سے اس کے ازالے کی طرف متوجہ کیا جاتا لیکن ......شاید ابھی تک ایسا نہیں ہوسکا...... بلکہ بنائی گئی اس تصویر پر طرح طرح کے نشانات لگانے کی کوششیں جاری ہیں۔

اسلامی بینکوں کے موجودہ طریقے مثالی نہیں لیکن جائز ہیں:

یہ ایک حقیقت ہے اور اہل علم کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے کسی فردِ بشر کو بھی اس سے انکار نہیں کہ معاشرے میں اسلامی نظامِ معیشت کے نمایاں اثرات اس وقت تک ظاہر نہیں ہوسکتے جب تک ہماری تجارتی سرگرمیوں کی بنیاد مشارکہ ومضاربہ پر نہ ہو۔ اسلام کا نظام تقسیمِ دولت جس طرح زکوۃ، عشر، صدقات کی ادائیگی اور میراث کی تقسیم کی صورت میں اپنی حقانیت کا لوہا منوا رہا ہے، اسی طرح اگر تجارتی سرگرمیوں میں مشارکہ ومضاربہ کو بنیاد بنایا جائے تو اس کے بہترین نتائج سامنے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مشارکہ ومضاربہ کے علاوہ کسی اور صورت کو اختیار کر کے کاروبار کرنا بالکل جائز ہی نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کسی بھی طریقے سے کاروبار کیا جائے تو اسے ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں، لہذا اگر موجودہ اسلامی بینکوں میں مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ وغیرہ تمویلی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور ان میں شرعی حدود وقیود کی پابندی کی جاتی ہے تو اسے محض اس وجہ سے ناجائز وحرام کہنا

درست نہیں کہ یہ شرکت اور مضاربت سے ہٹ کر طریقہ ٔ ہائے تمویل ہیں۔

لہٰذا اگر ''مشارکہ ومضاربہ'' کو پسندیدہ اور مثالی تمویلی طریقے (Modes of Finances) قرار دیتے ہوئے موجودہ عبوری حالات میں مرابحہ اور اجارہ وغیرہ کو شرعی حدود وقیود میں رہ کر طریقۂ تمویل کے طور پر استعمال کیا جائے تو انہیں ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنی کتاب An Introduction to Islamic Finance میں لکھتے ہیں۔

> "The real and ideal instruments of financing in shari'ah are "Musharakah" and " Mudarabah" .... The shariah supervisry Boards are unamious on the point that they (Ijarah,Murabaha etc) are not ideal modes of financing and they should be used only in cases of need with full observation of conditions prescribed by shariah".(P.19,20)

ترجمہ:'' شریعت میں فنانسنگ کے اصل اور مثالی طریقے مشارکہ اور مضاربہ ہیں ......اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں

کے شریعہ سپروائزری بورڈ اس بات پر متفق ہیں کہ (اجارہ اور مرابحہ) فنانسنگ کے مثالی طریقے نہیں ہیں اسلئے انہیں صرف ضرورت کے موقع پر ہی استعمال کرنا چاہئے اور وہ بھی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کا پورا پورا خیال کرتے ہوئے''۔

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ وغیرہ کو شرعی حدود میں رہ کر استعمال کیا جاتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے اور اسے ہدفِ تنقید بنانے کی کوئی وجہ نہیں۔

کیا یہ کان کو اِدھر کے بجائے اُدھر سے پکڑنے والی بات ہے:

جو حضرات موجودہ اسلامی بینکاری سے نالاں ہیں اور اسے خلافِ شریعت سمجھتے ہیں، انہیں ایک شکایت یہ بھی ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں میں مرابحہ اور اجارہ کو شرعی حدود کے اندر استعمال نہیں کیا جارہا بلکہ سودی معاملات کو اسلامی ناموں کا لبادہ اوڑھایا گیا ہے اور محض نام بدلنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں آتا، اسلئے موجودہ اسلامی بینکاری بھی دراصل سودی بینکاری کا دوسرا رخ ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔ یہی لوگ بعض دفعہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کان کو اِدھر کے بجائے اُدھر سے پکڑنے والی بات ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ شکایت ہے، انہوں نے کنونشنل بینکوں اور اسلامی بینکوں کے تمویلی طریقوں کا گہرائی میں جاکر جائزہ لینے کے بجائے صرف دونوں کے انجام اور نتیجہ کو دیکھ کر یہ حکم لگایا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی

شخص سودی بینک سے ایک لاکھ روپے قرضہ لیتا ہے تو اسے بھی ایک لاکھ دس ہزار روپے واپس کرنا پڑتے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اسلامی بینک سے مرابحہ یا اجارہ کے ذریعے ایک لاکھ روپے کی تمویل (Finance) حاصل کرتا ہے تو اسے بھی ایک لاکھ دس ہزار روپے واپس کرنا پڑتے ہیں، چونکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے لہذا معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہے۔

اگر اس اعتراض کا حقیقت پسندانہ انداز میں جائزہ لیا جائے تو اس کا کھوکھلا پن بالکل واضح ہوجاتا ہے اسلئے کہ شریعت کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ دو معاملات کا صرف نتیجہ ایک جیسا ہونے سے ہرگز یہ بات لازم نہیں آتی کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہو کیونکہ حکم کا تعلق معاملے کی حقیقت سے ہوتا ہے، انجام سے نہیں ہوتا، اس بات کو بذریعہ مثال اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر جانور ذبح کیا اور دوسرے نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر جانور ذبح کیا۔ دونوں جانوروں سے حاصل کئے گئے گوشت کا الگ الگ قورمہ بنایا گیا۔ دونوں کا ذائقہ بھی ایک جیسا ہے اور لذت بھی برابر ہے لیکن کوئی بھی مسلمان دونوں کو حلال کہنے کے لئے تیار نہیں۔ حقیقت حال سے واقف ہر مسلمان پہلے جانور کے گوشت کو حلال اور دوسرے کو حرام کہیگا، حالانکہ دونوں کا انجام ایک ہے۔

اسی طرح ایک شخص باقاعدہ نکاح کرکے اپنی بیوی سے ہم بستری کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور ایک شخص زنا کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں افعال کا انجام ایک ہی نکلا لیکن پہلا عمل

جائز بلکہ سنت ہے جبکہ دوسرا عمل ناجائز اور حرام ٹھہرا۔ کیوں؟ اسلئے کہ دونوں کی حقیقت مختلف ہے نہ کہ انجام۔

اسی طرح کنوینشنل بینک سے سودی قرضہ حاصل کرنے والا اور مرابحہ کے ذریعے اسلامی بینک سے کوئی سامان (Asset) خریدنے والا اگرچہ انجام کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں لیکن چونکہ دونوں معاملات کی حقیقت مختلف ہے (جسکی تفصیل آگے آئیگی) اسلئے دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنا اور محض انجام کے ایک جیسے ہونے پر دونوں پر ایک جیسا حکم لگانا قرینِ انصاف نہیں۔

اگر مختلف معاملات کا انجام ایک دیکھ کر ان پر یکساں حکم لگایا جائے اور ان کے طریقہ کار (پروسیجر) اور حقیقت کو نظر انداز کردیا جائے تو پھر مشرکین مکہ کا یہ اعتراض بالکل بجا ہونا چاہیئے کہ انما البیع مثل الربوا، بیع بھی تو ربوا کی طرح ہے اپنے انجام کے اعتبار سے کہ ربوا میں بھی انویسمنٹ پر اضافہ وصول کیا جاتا ہے اور بیع میں بھی بائع اپنی انویسمنٹ پر زیادتی وصول کرتا ہے۔

لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حاکمانہ انداز میں اس اعتراض کا جواب دیا کہ احلّ اللّٰہ البیع و حرّم الربوا۔ ہم نے بیع کو حلال اور ربوا کو حرام قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حلت اور حرمت طریقۂ کار اور حقیقت کی تبدیلی کی وجہ سے ہے، انجام تو ظاہر نظر میں ایک ہی ہے۔

عجیب منطق :

بعض لوگ اسلامی بینکاری پر ایک عجیب اعتراض کرتے ہیں کہ ''اسلامی بینک بھی نفع لیتے ہیں اور کونیشنل بینک بھی نفع لیتے ہیں، دونوں میں کیا فرق ہوا؟ اگر صحیح طریقہ سے اسلامک بینکنگ کی جاتی تو لوگوں کو قرضِ حسنہ فراہم کیا جاتا''۔

گویا ان کے نزدیک اگر صرف قرضِ حسنہ فراہم کیا جائے گا تو یہ اسلامی بینکنگ ہوگی ورنہ نہیں، سوال یہ ہے کہ پھر اسلامی بینک قائم کون کریگا؟ ظاہر ہے کہ جب تک کسی کام میں ذاتی منافع کا محرک نہ ہو اس وقت تک انسانی فطرت اس کی طرف مائل نہیں ہوتی، شریعت نے اس محرّک کا لحاظ رکھا ہے اور جائز طریقوں سے منافع کمانے کی اجازت دی ہے، اگر اسلامی بینک جائز تمویلی طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے نفع حاصل کررہے ہیں تو کیا کونیشنل بینکنگ کے ساتھ محض نفع کمانے میں مشابہت کی وجہ سے اس سسٹم کو ناجائز قرار دیا جائیگا؟

اور اگر بالفرض یہ اصول اختیار کرلیا جائے تو پھر تمام جائز کاروبار حرام ہونے چاہئیں کیونکہ نفع کمانے میں وہ ناجائز کاروبار کے مشابہ ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''اسلامی بینک پرانی گاڑی اجارہ پر نہیں دیتے صرف نئی گاڑی اجارہ پر دیتے ہیں تو یہ کسی اسلامی بینکاری ہوئی۔ اگر اسلامی ہوتی تو پرانی گاڑیاں بھی کرائے پر دی جاتیں'' اوّل تو ان کا یہ اعتراض اسلامی بینکوں کی مارکیٹ سے بالکل ناواقف ہونیکی علامت ہے، اور اگر ہم اسے صحیح فرض کرلیں تو کیا مؤجر

(Lessor) کو شریعت نے یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ مارکیٹ کی طلب و رسد کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرے کہ کیا چیز اجارہ پر دینی ہے اور کیا چیز اجارہ پر نہیں دینی؟

کیا آپ کسی ''رینٹ اے کار'' کے کاروبار کو اس وجہ سے ناجائز کہیں گے کہ وہ ۲۰۰۵ء ماڈل کی ٹویوٹا کرولا کرایہ پر دیتا ہے ۲۰۰۴ء ماڈل کی ٹویوٹا کرولا کرایہ پر نہیں دیتا؟

کس چیز کا کاروبار کرنا ہے اور کس چیز کا نہیں کرنا، کیا چیز کرایہ پر دینی ہے اور کیا چیز کرایہ پر نہیں دینی، اس فیصلہ کا تعلق مینجمنٹ سے ہے شریعہ سے نہیں، اسلئے اسے غیر شرعی قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

صرف ظاہری مماثلت کیوں ہے؟

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹرز کو تقریباً اتنا ہی نفع دیتے ہیں جتنا کونیشنل بینک اپنے ڈیپازیٹرز کو نفع دیتے ہیں، یہ مماثلت ظاہر کرتی ہے کہ دونوں ایک سسٹم ہیں۔

اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ شریعت نے کہیں بھی نفع کی مقدار کو کسی عقد کے جائز ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد نہیں بنایا، نفع کی تعیین فریقین کی باہمی رضامندی پر چھوڑی گئی ہے اسلئے اگر اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹر کو اتنا ہی نفع دیں جتنا کونیشنل بینک دیتے ہیں تو یہ کیوں قابل اعتراض ہے؟

لیکن ہم ذرا گہرائی میں جا کر یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مماثلت کیوں ہے؟ اسلامی بینک اس وقت تمویل کے لئے عام طور پر مرابحہ، اجارہ،

شرکتِ متناقصہ، سلم اور استصناع کا طریقۂ کار اختیار کررہے ہیں، ان تمام تمویلی طریقوں میں بینک کوئی چیز خرید کر اس پر متعین نفع رکھ کر آگے بیچتا ہے یا متعین نفع ذہن میں رکھ کر اس کا کرایہ متعین کرتا ہے۔

فی الوقت اسلامی بینکنگ کنوینشنل بینکنگ کے متوازی سسٹم کے طور پر چل رہی ہے اور دونوں میں کشمکش انتہائی عروج پر ہے، عام طور پر اسلامی بینکوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کم وبیش اتنا نفع اپنی بیع اور اجارہ میں وصول کریں جتنا کنوینشنل بینک سودی قرضہ میں سود وصول کررہے ہیں، تاکہ کسٹمرز کے لئے اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا آسان ہو اور وہ اسلامک بینکنگ کی طرف راغب ہوسکیں، ورنہ اگر اسلامی بینک عام مارکیٹ سے قطع نظر زیادہ نفع وصول کریں تو یہ سوال اٹھایا جائیگا کہ اسلامی بینکنگ بہت مہنگی ہے اور ناقابل عمل ہے اور اگر کم نفع وصول کریں تو ڈیپازیٹرز کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جائیگا کہ اسلامی بینک ڈیپازیٹر کو معمولی نفع دیتے ہیں جبکہ کنوینشنل بینک ڈیپازٹ پر سود زیادہ ادا کرتے ہیں۔

ان سوالات سے بچنے کیلئے، متوازی کنوینشنل بینکنگ کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے اور لوگوں کو اسلامی بینکنگ کی طرف راغب کرنے کیلئے اسلامی بینک اپنی بیع اور اجارہ میں کم وبیش اتنا ہی نفع وصول کرتے ہیں جتنا کنوینشنل بینک سودی قرضہ پر وصول کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنا نفع کمایا جائیگا اس کی وجہ سے بینک اور ڈیپازیٹر کو بھی کم وبیش اتنا ہی نفع ملیگا ہے جتنا کنوینشنل بینک اپنے ڈیپازیٹر کو سود ادا کرتے ہیں، یہ اس مماثلت کا پس منظر ہے لیکن پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر طریقۂ کار درست ہو تو محض اس مماثلت کی وجہ سے کسی سسٹم کو ناجائز نہیں کیا جاسکتا۔

کنوینشنل بینک کی مثال:

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ مروّجہ سودی بینکوں اور اسلامی بینکوں کے معاملات کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاکہ ہمارے لئے حقیقت تک رسائی آسان ہو۔

جہاں تک مروّجہ سودی بینکوں کے تمویلی معاملات کا تعلق ہے تو اسکی حقیقت ایک ''سودی قرضہ'' کی ہے جس میں بینک کم رقم اس شرط پر کلائنٹ کو بطور قرض دیتا ہے کہ وہ اس پر کچھ اضافہ کرکے واپس کرے (البتہ لیزنگ (Leasing) کے معاملہ میں قدرے تفصیل ہے، جس کی وضاحت اسلامی بینکوں کے اجارہ کے ذیل میں آئیگی)

ظاہر ہے کہ سودی قرض کا لین دین شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اسلئے مروّجہ سودی بینک کے تمویلی معاملات (Financial Transactions) شرعاً جائز نہیں، البتہ بعض دیگر معاملات جیسے رقوم کی منتقلی (Remittance) اور بعض جائز خدمات (Services) کے سروس چارجز (Service Chages) وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ شرعی اصولوں سے متصادم نہیں، اسلئے ان کے انجام دینے کی اور ان پر مناسب فیس لینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مروّجہ سودی بینک کی مثال ایک ایسے ''سپر اسٹور'' کی سی ہے جس میں مختلف طرح کی اشیاء موجود ہوں، حلال بھی ہوں اور حرام بھی، وہاں شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت بھی ہورہی ہو اور پھلوں

اور سبزیوں وغیرہ کی بھی ۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ نہیں کہا جائیگا کہ اس ''سپر اسٹور'' میں ہونے والے سارے کام غیر شرعی ہیں ، بلکہ اس صورت میں ایک دیانتدارانہ رائے یہی ہوگی کہ اس سپر اسٹور میں انجام پانے والے کچھ معاملات ناجائز اور حرام ہیں جبکہ کچھ معاملات ایسے ہیں کہ شرعاً ان کے انجام دینے کی گنجائش ہے ۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ بینک خالصتاً ناجائز معاملات کا اڈہ ہے اور اس کا اسلام سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ، یہ بات حقیقت کے مطابق نہیں ۔ سنا ہے کہ اسلامی بینکاری کی مخالفت کرنے والوں میں سے بعض لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ بینک کا مطلب ہے ''خنزیر'' تو اسلامی بینکاری کا مطلب ہوا ''اسلامی خنزیر'' اور خنزیر کے شروع میں اگر ''اسلامی'' کا لفظ بڑھا دیا تو وہ حلال نہیں ہوتا ، اسی طرح مروّجہ بینکاری پر اگر ''اسلامی'' کا لبادہ اوڑھا دیا جائے تو یہ بینکاری حلال نہیں ہوگی ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مروّجہ بینکاری کا مطلب صرف اور صرف ''خنزیر کی خرید وفروخت کا مقام'' ہوتا تو پھر اس کے شروع میں ''اسلامی'' کا لفظ لگانے سے واقعۃً کوئی فرق نہ پڑتا بلکہ اس طرح کرنے سے خود اسلامی تعلیمات کی ایک طرح سے توہین لازم آتی لیکن گزشتہ تفصیلات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ حقیقت اس کے برعکس ہے ۔ بینک تو چند معاملات کے انجام دینے کی جگہ ہے جن

میں سے کچھ جائز اور کچھ ناجائز ہیں ، اگر اس میں انجام پانے والے ناجائز معاملات کو شریعت کی حدود میں لایا جائے تو یہی ادارہ ''اسلامی'' ہوسکتا ہے ۔

وہ لوگ جو مروّجہ بینکاری کو علی الاطلاق ناجائز اور خنزیر کے مشابہ قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مروّجہ بینکوں میں ہونے والا ہر معاملہ ناجائز ہے تو بصد ادب ان سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ کیا وہ بروقت بجلی ، گیس اور ٹیلی فون کے بلوں کو عام سودی بینکوں میں جمع کرانے کی اجازت نہیں دیتے ؟ کیا وہ دوسرے شہروں اور دوسرے ملکوں سے بذریعہ بینک رقم منگوانے کو ناجائز کہتے ہیں ؟ اور کیا آج تک انہوں نے اپنے لئے یا اپنے اداروں کے لئے بینک کا کوئی چیک قبول نہیں کیا ؟

سالہا سال سے لوگ مروّجہ بینکوں سے مذکورہ دونوں قسم کے معاملات کرتے آرہے ہیں لیکن آج تک ان معاملات کے ناجائز ہونے کا کوئی فتویٰ احقر کی نظر سے نہیں گذرا ۔ اسلئے صحیح بات یہی ہے کہ مروّجہ بینکوں کے تمام معاملات کو مطلقاً ناجائز قرار نہ دیا جائے بلکہ اس میں انجام پانے والے ناجائز معاملات کو ناجائز اور جائز معاملات کو جائز کہا جائے ، یہی حکم شریعت ہے ۔

اب جبکہ یہ معلوم ہو چکا کہ مروّجہ بینکوں میں انجام پانے والے کچھ معاملات شرعاً جائز ہیں ، اسلئے ان کا شرعی متبادل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ان معاملات کا متبادل تلاش کرنے کی ضرورت ہے جو شرعی اصولوں سے متصادم ہیں ۔

بینک کے بنیادی حصّے :

بینک کی تمویلی سرگرمیوں کو عام طور پر دو بنیادی حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔اثاثہ جاتی حصّہ (Asset Side)

اس حصّے میں بینک اپنے تمویل کار (کلائنٹ) کو مختلف تمویلی سہولیات فراہم کرتا ہے جیسے کنوینشنل بینک اپنے کلائنٹس کو سودی قرضے دیتے ہیں جبکہ اسلامی بینک مرابحہ ، اجارہ ، سلم اور استصناع وغیرہ کے ذریعے تمویلی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

۲۔ذمہ داری والا حصّہ (Liability Side)

اس حصّے میں سودی بینک اپنے ڈیپازیٹرز سے رقوم وصول کرتا ہے اور انہیں آگے سودی قرض کے طور پر دیتا ہے، اس پر حاصل ہونے والا سود یا نفع اپنے اور ڈیپازیٹرز کے درمیان تقسیم کرتا ہے ۔جبکہ اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹرسے مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر رقوم وصول کر کے جائز کاروبار میں لگاتا ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع میں اپنے ڈیپازیٹرز کو شریک کرتا ہے (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

Asset Side میں کنوینشنل اور اسلامی بینک میں فرق:

Asset Side میں کنوینشنل بینک کی تمویلی سرگرمی بنیادی طور پر سودی قرضہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ سودی قرضہ گاہک (کلائنٹ) خواہ کسی بھی مقصد کے لئے لے، معاملے کی حقیقت (Underline Transaction) ایک ہی ہوتی ہے جبکہ اسلامی بینکوں میں کلائنٹ کی مختلف ضروریات کے پیشِ نظر مختلف

معاملات انجام دیئے جاتے ہیں ۔آج کل عام طور پر تین طرح کے معاملات زیادہ رواج پذیر ہیں ۔

۱۔مرابحہ

۲۔اجارہ

۳۔مشارکہ متناقصہ (ہوم مشارکہ)

ان کے علاوہ بعض اوقات سلم اور استصناع کے ذریعے بھی تمویلی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں ۔

آیئے! اسلامی بینکوں میں انجام پانے والے ان معاملات کا قدرے تفصیلی جائزہ لیتے ہیں ۔

مرابحہ

مرابحہ دراصل بیع (Sale) کی ایک قسم ہے جس میں سامان بیچنے والا شخص (Seller) خریدار کو یہ بتلاتا ہے کہ یہ سامان مجھے کتنے میں پڑا اور میں اس پر کتنا منافع رکھ کر آپ کو فروخت کر رہا ہوں۔

گویا اس میں عام بیع کی شرائط کی پابندی کے ساتھ ساتھ ایک اضافی شرط کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے، وہ یہ کہ بائع (Seller) اپنے سامان کی لاگت اور اس پر حاصل ہونے والا نفع بھی خریدار کو بتائے۔

اسلامی بینکوں میں انجام پانے والا مرابحہ درج ذیل مراحل پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ جامع معاہدہ

پہلے مرحلے میں کلائنٹ اور بینک آپس میں ایک جامع معاہدہ کرتے ہیں، اسے جنرل ایگریمنٹ یا Ficility Agreement کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کلائنٹ کتنی رقم تک سامان بینک سے خریدے گا، بینک خریدے گئے سامان پر کتنا نفع لیگا، ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہوگا وغیرہ۔

۲۔ مطلوبہ سامان کی خریداری:

اس کے بعد بینک وہ سامان مارکیٹ سے خریدتا ہے، جسے بعد میں کلائنٹ کو فروخت کرنا ہوتا ہے۔

اس موقع پر اسلامی بینکوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ خود بازار سے مطلوبہ سامان کی خریداری کرے یا کلائنٹ کے علاوہ کسی اور شخص کو وکیل بنا کر خریداری کرے البتہ ضرورت کے موقع پر خود اسی کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔(**المعايير الشرعية ، تملك المؤسسة السلعة قبل بيعها للآمر بالشراء ، البندرقم ۳/۱/۳ص ۱۲۱**)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر خریداری میں کلائنٹ کو وکیل بنایا جائے اور نہ ہی بینک یہ شرط لگاتا ہے کہ ہم تمہیں مرابحہ کے ذریعے سامان تب فروخت کریں گے جب تم ہمارے وکیل کی حیثیت سے سامان خریدو گے، بلکہ اگر کہیں ایسی مجبوری پیش آجائے کہ بینک خود یا کلائنٹ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو وکیل بنا کر خریداری نہ کرسکتا ہو تو اسی کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ ''اسلامی بینک کلائنٹ سے اس شرط پر مرابحہ کرتا ہے کہ وہ بینک کا وکیل بن کر بینک کے لئے خریداری کرے'' بلکہ صحیح بات وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی البتہ ہمارے ہاں عام طور پر کلائنٹ کو اسلئے وکیل بنایا جاتا ہے اور وہ خود بھی وکیل بننا پسند کرتا ہے کہ وہ بینک سے کافی مالیت کا سامان خرید رہا ہوتا ہے، اور بینک یا اس کے نامزد کردہ فرد کو ہر کلائنٹ کے مطلوبہ سامان کی صحیح جان پہچان

نہیں ہوتی ، اسلئے اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ بینک مطلوبہ سامان خرید کر لائے اور خریدار یہ کہہ کر ردّ (Reject) کردے کہ یہ سامان میری مطلوبہ صفات (Specifications) کے مطابق نہیں اور ایسی صورت میں اگر سپلائر وہ سامان واپس لینے سے انکار کردے تو بینک کو بھاری مالی نقصان ہوسکتا ہے، اسلئے فریقین کی باہمی رضامندی سے کلائنٹ کو مطلوبہ سامان کی خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے اور چونکہ کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنانا کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں ،لہذا اسے ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۳۔خریدے گئے سامان پر قبضہ اور بینک کو اطلاع:

اگر خریداری کے لئے کلائنٹ کو وکیل بنایا جائے تو وہ مطلوبہ سامان کی خریداری کے بعد اس پر قبضہ (Possession) کرتا ہے اور بینک کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ میں نے آپ کے وکیل ہونے کی حیثیت سے یہ سامان خرید کر اس پر قبضہ کرلیا ہے۔ چونکہ شرعاً وکیل کا قبضہ مؤکل (Principal) کا قبضہ ہوتا ہے، اسلئے یہ سمجھا جائیگا کہ شرعاً یہ مؤکل یعنی بینک کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر قبضہ کے سارے احکام جاری ہوتے ہیں خصوصاً یہ حکم کہ اگر کلائنٹ کی کسی تعدی (Negligence) کے بغیر سامان ہلاک ہوگیا تو یہ نقصان بینک کا ہوگا، کلائنٹ کا نہ ہوگا، اور اگر سامان کسی دوسرے ملک سے خریدا (امپورٹ کیا) جارہا ہے تو اس ملک سے پاکستان پہنچنے اور کلائنٹ کو مرابحہ پر بیچنے سے پہلے تک تمام رسک بینک کا ہے، اور ہلاکت کی صورت میں بینک ہی کا نقصان ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس مرحلے پر انجام پانے والا کوئی عمل شرعی اصولوں سے متصادم نہیں۔

۴۔مرابحے کا انعقاد (Execution of Murabaha)

اس کے بعد کلائنٹ بینک کو یہ پیشکش (Offer) کرتا ہے کہ وہ یہ سامان اسے متعینہ قیمت پر جس میں لاگت اور بینک کا نفع شامل ہو فروخت کردے اور وہ اس کی قیمت کی ادائیگی فوراً یا مخصوص مدت بعد کریگا، جب بینک اسے قبول (Accept) کرلیتا ہے تو مرابحہ وجود میں آجاتا ہے اور کلائنٹ پر اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوجاتی ہے۔ بینک اس واجب الاداء قیمت کے بدلے کلائنٹ سے کچھ ضمانتیں (Collatorals) لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی کوئی عمل شریعت کے خلاف نہیں ہوا۔

یہ ہے خلاصہ اس معاملے کا جسے مرابحہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اب آپ ذرا انصاف سے بتائیے کہ اسلامی بینکوں میں ہونے والے مرابحہ سے متعلق جو تفصیلات ابھی تک بیان کی گئی ہیں ان میں سے کونسی بات ایسی ہے جو شریعت سے متصادم اور ناجائز ہے۔

چیک اینڈ بیلنس کا نظام:

چونکہ مرابحہ بیع کی ایک قسم ہے اسلئے اس میں بیع کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے نیز مرابحہ کے مذکورہ مراحل کا شرعی حدود کے مطابق انجام دینا بھی ضروری ہے اور اس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ یہ معاملات شرعی اصولوں کے

مطابق انجام دیئے جا رہے ہیں یا نہیں، ہر اسلامی بینک یا کنونشنل بینک کی اسلامی برانچوں کی نگرانی کے لئے ایک مستند عالم دین بطور شریعہ ایڈوائزر مقرر ہوتا ہے جو نہ صرف مختلف معاملات میں بینکاروں کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ان معاملات کا جائزہ بھی لیتا رہتا ہے، اس طرح گویا ایک چیک اینڈ بیلنس کا نظام قائم کیا گیا ہے۔

مرابحہ اور سودی معاملے میں فرق:

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کنونشنل بینکوں کے سودی قرض والے معاملے اور اسلامی بینک کے مرابحہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

کنونشنل بینک نقد رقم قرض پر دیکر اس کے بدلے (Against) نفع کماتا ہے اور چونکہ یہ رقم قرض پر دی جاتی ہے، اسلیئے بینک اس پر کوئی خطرہ (Risk) نہیں اٹھاتا جبکہ اسلامی بینک مرابحہ میں پہلے کوئی چیز خریدتا ہے، اس پر قبضہ کرکے اس کے ضائع یا ہلاک (Damage) ہونے کا خطرہ (Risk) برداشت کرتا ہے پھر اس پر متعین نفع رکھ کر اسے آگے فروخت کرتا ہے۔ یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک عام دکاندار کوئی چیز خرید کر اس پر قبضہ کرکے اسے نفع پر آگے فروخت کر دیتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عام دکاندار عام طور پر یہ نہیں بتلاتا کہ اس نے یہ چیز کتنے میں خریدی اور وہ اس پر کتنا نفع لے رہا ہے (بیع کی اس قسم کو ''مساومہ'' کہتے ہیں) جبکہ اسلامی بینک مذکورہ دونوں باتیں بتلاتا ہے یہ بھی بنیادی طور پر بیع ہی کی ایک قسم ہے اور اسے ''مرابحہ'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے حکم کے مطابق بیع جائز اور سود حرام ہے۔ارشاد باری ہے:

واحلَّ اللّٰہ البیع وحَرم الربوا (البقرۃ)

اور اللہ نے خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے جبکہ سود کو حرام۔

اور چونکہ مرابحہ بیع کی ایک قسم ہے لہذا جب قرآن مجید نے خرید وفروخت کی اجازت دی تو مرابحہ بھی اس میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ٹھہرا بشرطیکہ اس کی شرائط کی پابندی کی جائے۔

اس کے جائز ہونے کی عقلی وجہ وہی ہے کہ مرابحہ میں اسلامی بینک مبیع (Subject Matter) سے متعلق رسک (Risk) کو برداشت کرتا ہے اور شریعت کا قانون یہ ہے کہ "الغنم بالغرم" یعنی جو رسک برداشت کرتا ہے، وہ نفع لینے کا حقدار ہے۔

واضح رہے کہ یہاں ''رسک'' سے مراد وہ رسک ہے جو بیچی جانے والی چیز (Subject Matter) سے متعلق ہو، کلائنٹ کے نادہندہ (Default) ہونے والا رسک مراد نہیں اسلیئے کہ نادہندگی (Default) کا خطرہ تو ہر مالی معاملہ میں ہوتا ہے، لیکن آج تک کسی ماہر شریعت نے اس رسک کی بنیاد پر کسی معاملے کو جائز نہیں کہا، دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس رسک کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر دنیا کا کوئی معاملہ بھی ناجائز نہیں رہیگا حالانکہ قرآن وحدیث کے واضح احکامات کی روشنی میں بہت سے معاملات شرعاً ناجائز ہیں۔

اجارہ

شرعی اصطلاح میں اجارہ ”کسی چیز یا شخص کی متعین اور جائز منفعت کو متعین اجرت کے بدلے دینے کا نام ہے“

اجارہ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱۔اجارۃ الأعیان: کسی چیز کو کرائے پر دینا، اسے انگریزی میں لیز (Lease) کہتے ہیں۔

۲۔ اجارۃ الأشخاص: کسی شخص کا اپنی خدمات کو کرائے (تنخواہ) کے بدلے فراہم کرنا۔اسے انگریزی میں Employment کہتے ہیں۔

اجارۃ الاعیان یعنی لیز کی پھر دو قسمیں ہیں:

۱) اجارۃ تمویلیہ: (Financial Lease)

۲) اجارۃ تشغیلیہ (Operating Lease)

اجارۃ تشغیلیہ (Operating Lease) تو عام اجارہ ہے جس میں کوئی شخص یا ادارہ اپنی کوئی چیز متعین مدت کے لئے کرائے پر دیتا ہے اور پھر مدت ختم ہونے کے بعد واپس لے لیتا ہے جیسے مکان، دکان اور بعض روز مرہ استعمال

کی چیزیں جیسے ٹینٹ، لاؤڈ سپیکر وغیرہ جیسی اشیاء کرائے پر دینا، یہ اجارہ قدیم زمانہ سے رائج چلا آرہا ہے۔

بینکوں میں رائج اجارہ:

اس وقت بینکوں میں جو اجارہ رائج ہے وہ اجارہ تمویلیہ یعنی فنانشل لیز ہے، یہ اجارہ دراصل ایک مالیاتی سرمایہ کاری کے طور پر وجود میں آیا ہے جس میں بینک یا مالیاتی ادارے کے پیشِ نظر تمویل ہوتی ہے اور اجارہ کو بطور ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اجارہ ایک مخصوص مدت مثلاً تین سال یا پانچ سال کیلئے ہوتا ہے جس میں مؤجر (Lessor) اجارہ پر دی گئی مشینری یا کار وغیرہ کی قیمت بمعہ مطلوبہ نفع کرایہ کی شکل میں وصول کرتا ہے جب اس اجارہ کی مدت پوری ہوتی ہے تو وہ چیز کلائنٹ کی ملکیت میں منتقل ہوجاتی ہے۔

کنونشنل بینکوں کی لیز میں شرعی خرابیاں:

اس وقت کنونشنل بینکوں میں فنانشل لیز کا جو طریقۂ کار رائج ہے اس میں درج ذیل تین خرابیاں پائی جاتی ہیں:

۱۔ایک ہی عقد (Agreement) کے اندر بیع اور اجارہ کے دو معاملے (Contracts) ہوتے ہیں یعنی جو اقساط کلائنٹ مدت اجارہ کے دوران ادا کرتا ہے، انہیں ابتداءً تو لیز کی اقساط شمار کیا جاتا ہے لیکن جونہی لیزنگ کی مدت پوری ہوتی ہے تو یہ اقساط قیمت سمجھی جاتی ہیں اور مطلوبہ چیز خود بخود کلائنٹ کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

اگر فقہی نقطۂ نگاہ سے اس عقد کی حقیقت دیکھی جائے تو یوں بنتی ہے کہ جیسے ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ ’’میں تم سے یہ گاڑی اس شرط پر کرائے پر لیتا ہوں کہ کرائے داری کی مدّت ختم ہونے پر اسی رقم کے بدلے میں اس کا مالک ہو جاؤں گا‘‘ اسے فقہی اصطلاح میں ’’صفقتان فی صفقۃ‘‘ کہتے ہیں جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ حدیث میں اس کی صراحتاً ممانعت آئی ہے (مسند أحمد بن حنبل ۳۹۸/۱، سنن النسائی حدیث ٤٦٢٩، معجم الطبرانی الأوسط حدیث :١٦٣٣)

۲۔ اجارہ پر دی گئی چیز سے متعلق تمام ذمہ داریاں (Liabilities) مستاجر (Lessee) کے ذمہ ہوتی ہیں حالانکہ شرعاً صرف استعمال (Use) سے متعلق ذمہ داریاں مستاجر پر ڈالی جاسکتی ہیں جیسے گاڑی کی سروس کرانا، آئل تبدیل کرانا وغیرہ، جبکہ وہ ذمہ داریاں جن کا تعلق اس چیز کے مالک ہونے سے ہے، وہ مؤجر (Lessor) کے ذمہ ہوتی ہیں جیسے ٹیکس ادا کرنا، کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے وہ تباہ ہوجائے تو اس کی مرمت (Maintaince) کرانا وغیرہ۔

۳۔ لیزنگ پر دی گئی چیز کلائنٹ کے حوالے کرنے سے پہلے ہی اس کا کرایہ (Rentals) لگنا شروع ہوجاتا ہے حالانکہ شرعاً مستاجر (Lessee) سے اس وقت تک کرایہ (Rentals) لینا جائز نہیں جب تک مطلوبہ چیز اس کے حوالے نہ کردی جائے۔

اسلامی بینکوں کے اجارہ میں ان خرابیوں کو کیسے دور کیا گیا؟

اسلامی بینکوں کے لئے جو اجارہ ڈیزائن کیا گیا ہے اس میں درج ذیل تین شرعی خرابیوں کو اس طرح دور کیا گیا ہے۔

۱۔ شروع میں صرف اور صرف اجارے کا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ مدّتِ اجارہ کے اختتام تک اجارہ پر دی گئی مشینری یا گاڑی اسلامی بینک ہی کی ملکیت میں رہتی ہے۔ جب اجارہ کی مدّت ختم ہوجائے تو کلائنٹ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ گاڑی بینک کو واپس کرنا چاہے تو واپس کردے اور اگر خریدنا چاہے تو متعین قیمت پر خریدلے۔ کلائنٹ وہ گاڑی بینک سے خریدنا چاہے تو ایک مستقل الگ عقد کے ذریعے بینک وہ گاڑی کلائنٹ کو فروخت کرتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک مستقل الگ عقد کے ذریعے گاڑی کلائنٹ کو بطور ہبہ (Gift) دیدی جاتی ہے۔ اس طرح کرنے سے ’’صفقتانِ فی صفقۃ‘‘ (Two Contracts in one Agreement) کی خرابی لازم نہیں آتی۔

۲۔ اسلامی بینکوں کے اجارہ کے معاملات میں یہ بات صراحتاً مذکور ہوتی ہے کہ مستاجر (Lessee) صرف وہ ذمہ داریاں برداشت کریگا جو گاڑی کے استعمال سے متعلق ہیں، اسے ’’صیانہ عادیہ‘‘ (Minor Maintance) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ گاڑی کے مالک ہونے کی حیثیت سے تمام ذمہ داریاں بینک برداشت کرتا ہے چنانچہ اس کے ٹیکس، انشورنش رتکافل اور حادثہ کی صورت میں اگر گاڑی کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ازالہ بینک کے ذمہ ہوتا ہے، اجارہ کے متعلق شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔

۳۔ اسلامی بینک جب تک کرایہ داری (Leasing) کا معاملہ کر کے مطلوبہ چیز کلائنٹ کے حوالے نہیں کردیتا، اس وقت تک کرایہ وصول نہیں کرتا۔

اس تیسری بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب کوئی

کلائنٹ اسلامی بینک کے پاس کوئی مشینری یا کار وغیرہ اجارہ پر حاصل کرنے کے لئے آتا ہے تو عام طور پر پہلے ہی دن اجارہ کا عقد نہیں ہوتا بلکہ بینک پہلے کار کی بکنگ کراتا ہے پھر چند ماہ بعد جب گاڑی تیار ہو کر آتی ہے تو بینک اسے کلائنٹ کے حوالے کرتا ہے اور اسی وقت اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اجارہ پر دی گئی چیز (Leased Asset) کے کرائے (Rentals) کی وصولی کی ابتداء تو اسی وقت سے ہوتی ہے جس وقت وہ چیز عملاً کلائنٹ کے قبضہ میں آجاتی ہے لیکن چونکہ مطلوبہ چیز کلائنٹ کے سپرد (Deliver) کرنے میں کچھ دیر لگتی ہے تو بعض کلائنٹس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان سے شروع میں ہی ماہانہ اجرت کے حساب سے کچھ رقم لینا شروع کردی جائے تاکہ انہیں مطلوبہ رقم کی ادائیگی میں سہولت رہے۔

اسلامی بینکوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کوشش تو یہ کریں کہ جب تک مطلوبہ چیز کلائنٹ کو مل نہ جائے، اس وقت تک اس سے کچھ نہ لیں لیکن اگر کلائنٹ کی خواہش ہو تو اسلامی بینک شروع سے ہی علی الحساب (On Account Basis) کچھ رقم کلائنٹ سے لے سکتا ہے لیکن یہ رقم کرایہ نہ ہوگی لہذا یہ بینک کی آمدنی (Income) کا حصہ بھی نہیں بنے گی بلکہ کلائنٹ کی بینک کے پاس ایک طرح کی امانت ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اسلامی بینک اور کلائنٹ کے درمیان میں عملاً اجارہ نہیں ہوتا تو یہ رقم کلائنٹ کو واپس کی جائیگی جبکہ کنوینشنل بینکوں میں یہ رقم شروع ہی سے بینک کی آمدنی (Income) شمار ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے اس شبہ کا ازالہ ہوجاتا ہے جو بعض مرتبہ سرسری نظر سے

اسلامی بینک کے معاملے کو دیکھنے والے کرتے ہیں کہ کنوینشنل بینک میں بھی پہلے ہی روز سے کرایہ لگنا شروع ہوجاتا ہے اور بعض مرتبہ اسلامی بینک بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو دونوں میں کیا فرق ہوا؟ مذکورہ بالا تفصیل سے دونوں معاملات میں بالکل واضح فرق سامنے آگیا۔

اجارہ اور کنوینشنل لیز کے انشورنش میں فرق:

اسلامی اجارہ پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کہنے کو تو اسلامی اجارہ میں شئی مستأجر (Leased Asset) کا رسک بینک برداشت کرتا ہے لیکن جس طرح کنوینشنل لیزنگ میں اس چیز کا انشورنش کروایا جاتا ہے اسی طرح اسلامی اجارہ میں بھی بینک شئی مستاجر (Leased Asset) کا انشورنش کرواتا ہے جو نقصان ہوتا ہے وہ انشورنش کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے تو دونوں میں کیا فرق ہوا؟

یہاں ایک سوال تو انشورنش کے حکم سے متعلق ہے اس پر اس کتابچہ کے آخر میں تفصیل سے گفتگو کی جائیگی۔

لیکن یہاں جو دوسرا سوال ہے کہ دونوں سسٹم اپنا رسک انشورنش کے ذریعہ محفوظ (Cover) کررہے ہیں تو دونوں میں فرق کیا ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکنہ نقصان سے بچنے کے لئے شرعی حدود میں رہتے ہوئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود کوئی نقصان ہوگیا تو یہ نقصان کون برداشت کریگا؟ اگر یہ نقصان بینک برداشت کرتا ہے مالک ہونے کی حیثیت سے تو یہ

بالکل صحیح ہے، لیکن اگر یہ نقصان مستأجر پر ڈالا جاتا ہے تو یہ غلط ہے، اور اجارہ کے شرعی اصولوں کے متصادم ہے۔

کنوینشنل بینک اجارہ پر دی گئی چیز کی انشورنش کرواتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا نقصان ہوا کہ انشورنش کمپنی کی طرف سے دیئے گئے کلیم سے وہ نقصان پورا نہیں ہوتا تو کنوینشنل بینک وہ نقصان برداشت نہیں کرتا بلکہ مستأجر (Lessee) کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے جبکہ اسلامی بینک بھی اجارہ پر دی گئی چیز کی انشورنش کرواتا ہے لیکن اگر نقصان کی صورت میں انشورنش کمپنی کے دیئے گئے کلیم سے نقصان پورا نہیں ہوتا تو یہ زائد نقصان بینک برداشت کرتا ہے اور مستأجر کو اس کا زرِ ضمانت (Security Deposit) پورا واپس دینے کا پابند ہوتا ہے۔

اس عملی فرق سے معلوم ہوا کہ کنوینشنل بینک اجارہ کا طریقۂ کار اختیار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو اس چیز کا مالک نہیں سمجھتا اور ملکیت سے متعلق ذمہ داریاں برداشت نہیں کرتا، جبکہ اسلامی بینک اجارہ کا طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس شئی مستأجرہ کا مالک سمجھتا ہے اور ملکیت سے متعلق ذمہ داریاں برداشت کرتا ہے۔

مشارکہ متناقصہ

Diminishing Musharaka

موجودہ اسلامی بینکوں میں رائج تیسرا بڑا تمویلی طریقہ ''مشارکہ متناقصہ'' کا ہے جس کے ذریعے عام طور پر مکانات کے لئے تمویل (Finance) کی جاتی ہے، اسلئے اسے عام طور پر ''ہوم مشارکہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہ طریقۂ کار بنیادی طور پر تین مراحل پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ پہلے مرحلے میں اسلامی بینک اور اس کا کلائنٹ مشترکہ طور پر ایک مکان خریدتے ہیں جس میں عام طور پر بینک کا حصہ کلائنٹ کے حصے سے زیادہ ہوتا ہے مثلاً ایک مکان مشترکہ طور پر اس طرح خریدا گیا کہ اس میں اسّی فیصد حصہ بینک کا ہے اور بیس فیصد کلائنٹ کا ہے۔

۲۔ بینک کے حصے کو چھوٹے چھوٹے یونٹس (Units) میں تقسیم کرلیا جاتا ہے مثلاً مذکورہ مثال میں بینک کے مملوکہ حصے کے اسّی یونٹس بنائے گئے، کلائنٹ بینک کے مملوکہ یونٹس ایک ایک کر کے خریدتا رہتا ہے جس کے نتیجہ میں کلائنٹ کی ملکیت بڑھتی جاتی ہے جبکہ بینک کی ملکیت کم ہوتی جاتی ہے۔

۳۔ جتنے یونٹس بینک کی ملکیت میں ہوتے ہیں، کلائنٹ کرایہ داری کے معاہدہ کے تحت انہیں اپنے تصرف میں رکھنے اور استعمال کرنے کی وجہ سے انکا کرایہ ادا کرتا رہتا ہے، چونکہ کلائنٹ مستقل طور پر یونٹ خرید رہا ہوتا ہے، اسلئے کرائے کی مقدار میں بھی کمی آتی رہتی ہے۔آخر کار جب کلائنٹ بینک کے مملوکہ سارے یونٹس خرید لیتا ہے تو وہ سارے مکان کا مالک بن جاتا ہے۔

گویا اس طریقۂ کار میں بنیادی طور پر تین کام ہوئے:

۱۔مشترکہ طور پر مکان کی خریداری۔

۲۔ایک شریک کا دوسرے شریک کے مملوکہ حصے کو کرائے پر لینا۔

۳۔ایک شریک یعنی کلائنٹ کا دوسرے شریک یعنی بینک کے حصے کو خریدنا۔

ظاہر ہے کہ ان تینوں معاملات میں سے کوئی معاملہ بھی شرعاً ناجائز نہیں البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تینوں معاملات کو ایک ہی انتظام میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دو یا دو سے زیادہ معاملات کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ہر معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط (Conditional) ہو تو یہ شرعاً جائز نہیں۔(**المبسوط للسرخسی ۱۶/۳، فتح القدیر ۸۰/۶، المغنی لابن قدامہ ۳۳۴/۱**)

لیکن اگر کوئی معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے چنانچہ مذکورہ طریقہ کار میں کوئی معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا بلکہ کلائنٹ اپنے طور پر یکطرفہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر بینک مطلوبہ مکان خرید لے تو وہ بینک کا حصہ اجارہ پر لے کر اس کا کرایہ ادا کریگا نیز وہ بینک کے حصے کے مختلف

یونٹس کو مرحلہ وار خرید لیگا۔

یہاں بظاہر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ کلائنٹ کی طرف سے بینک کے حصے کو خریدنے کا وعدہ کرنا بیع میں شرط لگانے کی طرح ہے، اسلئے کہ فریقین (بینک اور کلائنٹ) کو مطلوبہ مکان خریدتے وقت یہ معلوم ہے کہ بعد میں کلائنٹ بینک سے اس کا حصہ خرید لیگا، اسلئے یہاں پر ایک معاملے کو دوسرے کے ساتھ مشروط (Conditional) سمجھنا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک عقد کو دوسرے کے ساتھ مشروط کرنا اور کسی عقد میں داخل ہوتے وقت دوسرے عقد کے کرنے کا وعدہ کرنا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اگر ایک عقد کے ساتھ دوسرے عقد کو مشروط کردیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلا عقد اسی وقت مکمل ہوگا جب دوسرا عقد بھی ہو جیسے خالد احمد سے کہے کہ میں تمہیں اپنی گاڑی اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تم اپنا مکان مجھے کرائے پر دو۔اس صورت میں گاڑی کی بیع اس وقت مکمل ہوگی جب احمد خالد کو اپنا مکان کرائے پر دیگا۔اور ایسا کرنا اسلئے جائز نہیں کہ اس کی وجہ سے عقد کے اندر غرر (Uncertainty) پیدا ہوجاتا ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے لیکن اگر ایک معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو بلکہ کوئی فریق الگ سے کوئی وعدہ کرلے تو اس صورت میں ایک عقد کا مکمل ہونا دوسرے عقد کے ہونے پر موقوف نہیں ہوتا جیسے مذکورہ صورت میں اگر کلائنٹ علیحدہ طور پر یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ بینک کا حصہ خرید لیگا۔

تو اس صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بینک اور کلائنٹ مل کر جو مکان

خرید رہے ہیں ، اس خریداری کا صحیح ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ کلائنٹ اپنا وعدہ پورا کرے بلکہ یہ خریداری بہرحال مؤثر اور مکمل ہوگی خواہ کلائنٹ بعد میں اپنا وعدہ پورا کرے یا نہ کرے البتہ وعدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں اس کو وعدہ پورا کرنے پر مجبور کیا جائیگا یا نقصان کی تلافی کا مطالبہ کیا جائیگا لیکن وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے پہلا عقد کالعدم نہیں ہوگا گویا محض وعدہ کرنے کی وجہ سے ''غرر'' کی خرابی لازم نہیں آتی اس لئے یہ صورت جائز ہے ۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلامی بینکوں میں رائج ''مکانات کی فنانس'' کا طریقہ شرعی اصولوں سے متصادم نہیں ۔

وضاحت :

موجودہ اسلامی بینکوں کے جو طریقہ ہائے تمویل (Modes of Finance) اس وقت زیادہ رائج ہیں ، ان کی بقدرِ ضرورت تشریح ہوچکی ، البتہ چند مسائل ایسے ہیں جو ان تینوں تمویلی طریقوں سے متعلق ہیں ، اسلئے ان کو الگ ذکر کیا جاتا ہے ۔

چند اہم مسائل :

اسلامی بینک کے تمویلی طریقوں سے متعلق مشترکہ مسائل درج ذیل ہیں :

۱۔ بینک مطلوبہ سامان ، گاڑی یا پراپرٹی خریدنے سے پہلے کلائنٹ سے یہ وعدہ لیتا ہے کہ اگر بینک نے یہ سامان خرید لیا تو کلائنٹ یہ سامان بینک سے خرید لے گا یا اجارہ پر لیگا یہ وعدہ یکطرفہ (Uniletaral) ہوتا ہے یعنی کلائنٹ کی طرف سے ہوتا ہے ، بینک کی طرف سے نہیں ہوتا ، نیز یہ وعدہ ملزِمہ (Binding) ہوتا

ہے ۔ کیا ایسا وعدہ لینا شرعاً جائز ہے؟

۲۔ کلائنٹ اسلامی بینک سے معاملہ کرتے وقت اپنے اوپر یہ التزام (Undertaking) کرتا ہے کہ اگر اس نے بروقت ادائیگی نہ کی تو اتنی رقم بطور صدقہ دیگا جسے بینک صدقہ کے مصارف پر خرچ کا پابند ہوتا ہے ۔ کیا اسلامی بینک کے لئے ایسا التزام کرانا جائز ہے؟

۳۔ بعض جگہ جہاں ضرورت ہو وہاں سامان ، گاڑی یا جائیداد کی انشورنش کرائی جاتی ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

۴۔ اسلامی بینک نفع یا کرائے کو متعین کرنے کے لئے مروجہ شرح سود کو معیار مقرر کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

ذیل میں ہم ان مسئلوں کا قدرے تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ: کلائنٹ سے وعدہ لینا

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کی طرف سے آمادگی ظاہر ہونے پر مارکیٹ سے مطلوبہ سامان خریدنے سے پہلے کلائنٹ سے یہ وعدہ لیتا ہے کہ وہ بعد میں یہ سامان بینک سے بذریعہ مرابحہ خرید لیگا یا فلاں گاڑی اجارہ پر لے لیگا ، سوال یہ ہے کہ کیا بینک کے لئے یہ وعدہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر جائز ہے تو کیا اس کو ملزِمہ (Binding) قرار دینے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں ؟

جہاں تک مذکورہ وعدہ لینے کا تعلق ہے تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ۔ اس وعدہ کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً خالد کی کتابوں کی دوکان ہے ، زید اس کے پاس

آکر کوئی مخصوص کتاب طلب کرتا ہے وہ کتاب خالد کے پاس موجود نہیں ۔ خالد زید سے کہتا ہے کہ ابھی تو یہ کتاب میرے پاس نہیں البتہ میں کہیں سے خرید کر آپ کو فراہم کرسکتا ہوں ۔ زید اس پر آمادہ ہوجاتا ہے خالد کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں یہ کتاب دوسری جگہ سے خرید کر لاؤں اور بعد میں زید اسے خریدنے سے انکار کردے ، اسلئے وہ زید سے کہتا ہے کہ تم یہ وعدہ کرو کہ جب میں یہ کتاب خرید کر لاؤں گا تو تم مجھ سے خرید لوگے ۔ ظاہر ہے کہ خالد کے لئے یہ وعدہ لینا جائز ہے کیونکہ یہ کسی شرعی اصول کے متصادم نہیں ۔ اسی طرح اسلامی بینک کے لئے کلائنٹ سے بھی وعدہ لینا جائز ہے ۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ وعدہ ملزِمہ (Binding) ہوسکتا ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ کے لازم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں البتہ متاخرین فقہاءِ حنفیہ نے اس بات کی گنجائش دی ہے کہ ضرورت کے وقت اسے لازم قرار دیا جاسکتا ہے ۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں :

المواعید قد تکون لازمة فتجعل لازمة عند حاجة الناس (ردّ المحتار ۴/۱۳۵، نیز ملاحظہ فرمائیے :شرح المجلة للأتاسی ۲/۴۱۵، شرح الأشباہ والنظائر لابن نجیم ۲/۱۱۰)

ترجمہ: کبھی کبھی باہمی وعدے لازم ہوتے ہیں، پس لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر انہیں لازم قرار دیا جاسکتا ہے۔

عملی تجربہ بھی یہ ہے کہ روزمرّہ کے بہت سے معاملات میں وعدہ کو لازم سمجھا جاتا ہے جیسے بڑے ہوٹل یا کھانا پکانے کے مقامات جن کا مختلف سپلائرز سے معاہدہ ہوتا ہے کہ سپلائر فلاں اوقات میں انہیں اتنا اتنا سامان فراہم کریگا ، بسااوقات ہوٹل والوں کو کھانا تیار کرکے کسی شادی وغیرہ کی تقریب میں پہنچانا ہوتا ہے ، اگر سپلائر بروقت سامان پہنچانے سے معذرت کردے تو ظاہر ہے کہ ہوٹل والے کو زبردست پریشانی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا ۔ اسی طرح مثلاً آپ نے کسی تقریب کا اہتمام کیا ہوا ہے جس میں بہت سے معزز مہمان مدعو ہیں ۔ آپ نے مختلف سپلائر سے بات کررکھی ہے ، کسی سے ٹینٹ وغیرہ لگانے کا معاہدہ ہے ، کسی سے کھانا پہنچانے کا اور کسی سے بجلی کے انتظامات کرنے کا وغیرہ لیکن ان میں سے کوئی بھی بروقت نہیں پہنچتا اور صرف معذرت کرکے الگ ہوجاتا ہے تو ظاہر ہے آپ کو کس قدر پریشانی ہوگی ۔ لہٰذا ان صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ وعدے کو لازم قرار دیا جائے ۔ بالکل اسی طرح اگر بینک لاکھوں بلکہ بعض مرتبہ کروڑوں روپے کی خریداری کرتا ہے اگر کلائنٹ بعد میں اپنے وعدہ کو پورا نہ کرے تو بینک کو زبردست مالی نقصان کا سامنا ہوسکتا ہے ، اسلئے متاخرین فقہاءِ حنفیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے اس وعدے کو لازم قرار دینے میں کوئی شرعی خرابی لازم نہیں آتی ۔

دوسرا مسئلہ: صدقہ کی وصولی

دوسرا مسئلہ کلائنٹ کی طرف سے بروقت ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں صدقہ لینے کا ہے :اگر غور کیا جائے تو دراصل یہاں تین سوال پیدا ہوتے ہیں ، ہر

سوال مع جواب درج ذیل ہے:

۱۔اسلامی بینک کے کلائنٹ کا یہ التزام (Undertaking) کرنا کہ اس نے بروقت ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی مخصوص رقم بینک کے ''صدقہ کے فنڈ'' (Charity Fund) میں جمع کرائیگا، یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، کوئی شخص یا ادارہ اسے یہ التزام کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا (جیسے نذر ماننے کا مسئلہ ہے کہ نذر ماننا ہر شخص کا ذاتی فعل ہے کوئی شخص اسے کوئی خاص نذر ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا) جبکہ اسلامی بینکوں میں کلائنٹ کو یہ التزام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس پر لازم ہوتا ہے کہ اگر وہ اسلامی بینک سے معاملہ کرنا چاہتا ہے تو مذکورہ بالا التزام ضرور کرے۔ کیا اس طرح لازمی طور پر التزام کرانا شرعاً جائز ہے؟

۲۔اس میں یہ التزام کرایا جاتا ہے کہ یہ صدقہ بینک کے واسطے سے ادا کیا جائیگا، کیا ایسی شرط لگانے کی اجازت ہے؟

۳۔اگر کلائنٹ اس التزام کو پورا نہ کرے تو بینک بذریعہ عدالت اسے نافذ کرانے کا حق رکھتا ہے۔ کیا ایسا التزام بذریعہ عدالت نافذ کرانا جائز ہے؟

ان تینوں سوالوں کا ترتیب وار جواب درج ذیل ہے:

۱......کسی غلطی پر صدقہ کا التزام کرنے کی دوصورتیں ہیں:

الف۔ اس غلطی کا تعلق حقوق اللہ سے ہو جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر مجھ سے فجر کی جماعت چھوٹ گئی تو میں اتنی رقم صدقہ کروں گا۔

ب۔ اس غلطی کا تعلق حقوق العباد سے ہو یعنی اس غلطی کے ارتکاب سے کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے دو آدمی سفر کریں اور ان میں سے ایک

یہ التزام کرے کہ وہ راستے بھر دوسرے ساتھی کو تکلیف نہیں پہنچائے گا، اگر اس نے تکلیف پہنچائی تو اتنی رقم صدقہ کریگا۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو یہ خالصتاً بندے کا اختیاری معاملہ ہے اسے اپنے اوپر التزام کرنے کا اختیار ہے کوئی اور شخص لازمی طور پر اس سے یہ التزام نہیں کراسکتا جبکہ دوسری قسم میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں لازمی طور پر التزام کرایا جاسکتا ہے مثلاً زید کی ایک گاڑی ہے وہ اور بکر مل کر اس پر سفر کرنا چاہتے ہیں۔ بکر کو ڈرائیونگ کا بہت شوق ہے وہ زید سے کہتا ہے کہ گاڑی میں چلاؤں گا زید کہتا ہے کہ تمہیں اس شرط پر گاڑی چلانے کی اجازت ہے کہ تم اسے پوری احتیاط سے چلاؤ گے بکر وعدہ کرتا ہے زید مزید احتیاط کے لئے کہتا ہے کہ ''تمہیں یہ گاڑی چلانے کی اجازت اس شرط پر ہے کہ تم یہ التزام کرو کہ اگر تم نے کوئی بے احتیاطی کی تو اتنی رقم صدقہ کروگے'' بکر شرط قبول کر کے التزام کرلیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس طرح زید کے لئے پہلی شرط لگانا جائز ہے اسی طرح دوسری شرط لگانے کی بھی گنجائش ہے کیونکہ دونوں کا مقصد اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے بچانا ہے۔

دوسری شرط میں اس اعتبار سے بکر سے لازمی طور پر التزام کرایا گیا کہ اگر وہ زید کی گاڑی استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ التزام کرے کہ بے احتیاطی کرنے کی صورت میں اتنی رقم صدقہ کرے گا لیکن اس اعتبار سے یہ لازمی التزام نہیں کہ بکر کو یہ اختیار ہے کہ وہ یہ شرط قبول نہ کرکے زید کی گاڑی استعمال نہ کرے۔

اسلامی بینک بینکنگ مارکیٹ کا ایک حصہ ہے، اس کے پاس موجود سرمایہ میں بہت بڑا حصہ ان ڈیپازیٹرز کا ہوتا ہے جو اپنی جمع پونجی لاکر بینک کے پاس جمع کراتے ہیں بینک اس سرمائے کے ذریعے اپنے کلائنٹس کو فنانس کرتا ہے اگر بینک کلائنٹس کی طرف سے ادائیگی میں تاخیر کا کوئی مؤثر حل اختیار نہ کرے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس کے کلائنٹس ادائیگی میں تاخیر کرتے رہیں اس طرح ہونے کی صورت میں اسلامی بینک کو متعدد معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑیگا بلکہ خود بینک کے دیوالیہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائیگا۔

ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے ڈیپازیٹرز کی رقوم کو اس ممکنہ نقصان سے بچانے کیلئے اسلامی بینک کیلئے شرعی حدود کے اندر رہ کر کوئی مؤثر اقدام کرنا ضروری ہے۔ اس کیلئے ایک حل یہ پیش کیا گیا ہے کہ اسلامی بینک سے جب اس کا کوئی کلائنٹ معاہدہ کرنے کیلئے آئے تو بینک اس سے یہ وعدہ لے سکتا ہے کہ کلائنٹ بروقت ادائیگی کریگا، اور اسی کے ساتھ کلائنٹ سے یہ التزام بھی کرایا جاتا ہے کہ اگر اس نے بروقت ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی رقم صدقہ کریگا۔

یہ التزام بھی اس اعتبار سے لازمی ہے کہ اگر وہ اسلامی بینک سے معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ التزام کرے لیکن اس اعتبار سے لازمی نہیں کہ اسے اختیار ہے کہ وہ مذکورہ شرط قبول نہ کرکے اسلامی بینک سے معاملہ نہ کرے بلکہ دیگر جائز ذرائع سے مطلوبہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے، تو جس طرح زید کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بکر سے یہ وعدہ لے کہ اگر اس نے زید کی گاڑی چلانے میں بے احتیاطی کی تو اتنی رقم صدقہ کرے گا، اسی طرح اسلامی بینک کے

لئے بھی یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کلائنٹ سے یہ وعدہ لے کہ اگر اس نے ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنی رقم صدقہ کریگا۔

۲۔ بینک کے خیراتی فنڈ میں رقم جمع کرانے کا التزام محض اسلئے کرایا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اطمینان ہو کہ واقعۃً کلائنٹ نے یہ صدقہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بینک یہ صدقہ وصول کرکے اسے اپنی ذاتی آمدنی میں شامل نہیں کرسکتا بلکہ اسے صدقہ کے شرعی مصارف پر ہی خرچ کرنے کا پابند ہوتا ہے، اس شرط کے ذریعے صرف صدقہ کی ادائیگی کو یقینی بنایا جاتا ہے گویا یہ ایک ایسی شرط ہے جو عقد میں تاکید پیدا کرتی ہے اور ایسی شرط جو عقد میں تاکید پیدا کرتی ہو یا اس کے ملائم ہو، اس کا لگانا جائز ہے۔

۳۔ اگرچہ احناف کے نزدیک ایسے التزام کو پورا کرنا قضاءً ضروری نہیں لیکن بعض مالکیہ کے ہاں اسے قضاءً (یعنی بذریعہ عدالت) بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ بینکوں کے معاملات میں اسے قضاءً نافذ کرانے کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا اس صورت میں مالکیہ کے اس قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے خصوصاً جبکہ اس کا تعلق مالی معاملات سے ہے اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں بعض مالی معاملات کے اندر ضرورت کے وقت مالکیہ کے قول کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔

تیسرا مسئلہ: انشورنس

تیسرا اہم مسئلہ ''انشورنس'' کرانے کا ہے کہ بعض صورتوں میں بینک قانونی طور پر انشورنس کرانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگرچہ اب اس مسئلے پر زیادہ گفتگو کرنے کی

چنداں ضرورت نہیں ، اسلئے کہ اب پاکستان میں بھی کئی تکافل (اسلامی انشورنس) کمپنیاں وجود میں آچکی ہیں۔ان میں سے ایک کمپنی نے باقاعدہ کام کرنا بھی شروع کردیا ہے جبکہ بعض دیگر کمپنیاں مستقبل قریب میں کام شروع کرنے والی ہیں اور اسلامی بینک مروجہ انشورنس کے بجائے تکافل کمپنیوں سے معاملات کررہے ہیں تاہم چونکہ ایک عرصے تک قانونی مجبوری کی وجہ سے انشورنس کمپنیوں کے ساتھ معاملہ ہوتا رہا ہے، اسلئے مختصراً اس موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے۔

شریعت کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص دو ایسے معاملات میں مبتلا ہو کہ ان میں سے ایک زیادہ گناہ ہو جبکہ دوسرا کم درجے کا ہو تو بدرجہ مجبوری بڑے گناہ کو چھوڑ کر چھوٹے کا ارتکاب کرلینے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس سے بھی بچنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے، اس قاعدہ کو فقہی اصطلاح میں "اھون البلیتین" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو بینک کی ایسی ملازمت کرتے ہیں جن میں سودی معاملات سے براہ راست واسطہ پڑتا ہے، اربابِ فتویٰ انہیں یہی مشورہ دیتے آئے ہیں کہ اس ملازمت کو فوراً ترک کرکے کوئی جائز ملازمت تلاش کرو لیکن جب تک کوئی جائز ملازمت نہ ملے اور اس ملازمت کو فوری ترک کرنے میں شدید مالی پریشانی کا اندیشہ ہو تو بدرجہ مجبوری جائز ملازمت ملنے تک اسے اختیار کرو البتہ اس سے ملنے والی تنخواہ کسی غیر مسلم سے تبدیل کرکے استعمال کرو۔

یہ کیوں کہا گیا؟ اسلئے کہ ناجائز ملازمت کرنا ایک الگ گناہ ہے اور اس کے بدلے میں ملنے والی تنخواہ کو اپنی ضروریات میں استعمال کرنا دوسرا مستقل گناہ ہے۔اگر کوئی شخص کسی شدید مجبوری کی وجہ سے ناجائز ملازمت نہیں چھوڑ سکتا تو اسے

اپنی تنخواہ غیر مسلم سے تبدیل کرنے (یعنی پہلے اس سے اتنی رقم قرض لینے اور اس کے بدلے میں اپنی رقم اسے دینے) کا مشورہ دیا گیا کہ وہ بیک وقت دو گناہوں میں مبتلا نہ ہو بلکہ بدرجہ مجبوری صرف ایک کا ارتکاب کرے تاکہ گناہ کی شدت کچھ کم ہوجائے، اور اس سے بھی فوری خلاصی کی کوشش کرتا رہے۔

اس وقت ہماری معاشی سرگرمیوں کا پہیہ دو نظاموں پر چل رہا ہے۔ایک "بینکنگ کا نظام" ہے اور دوسرا "انشورنس کا نظام"۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے ماہرین معیشت بخوبی واقف ہیں کہ ان دونوں نظاموں سے صرفِ نظر کرکے عصر حاضر میں معیشت کو کامیابی سے ہم کنار کرانا تقریباً ناممکن ہے۔اسلئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان دونوں نظاموں کو اسلامی اصولوں کے سانچے میں ڈھالا جائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام ایسا نہیں کہ ادھر الہ دین کا چراغ جلایا اور ادھر سارا اسلامی نظام تیار شدہ شکل میں سامنے آگیا بلکہ اس کے لئے سالہا سال کی مسلسل عملی محنت درکار ہوتی ہے۔

ماہر اور مستند علماءِ کرام نے جس طرح بینکاری کا متبادل تلاش کرنے میں شبانہ روز محنت کی، اسطرح انشورنس کا اسلامی متبادل پیش کرنے میں اپنی پوری صلاحتیں خرچ کیں اور جب سالہا سال کی کوشش کے بعد بینکنگ کا شرعی طریقہ کار وجود میں آگیا اور ہزار مشکلات کے بعد حکومتیں اسے نافذ کرنے پر آمادہ ہوئیں تو بعض علماءِ کرام نے اسے اس حال میں اس شرط پر نافذ کرنے کی اجازت دی کہ یہ بینک اپنے انشورنس کے معاملات تکافل کی بنیاد پر کرنے کے پابند ہوں گے، البتہ جب تک تکافل کا عملی وجود سامنے نہیں آتا اس وقت تک اسٹیٹ بینک

کی طرف سے عائد کردہ قانونی مجبوری کی وجہ سے اسلامی بینک انشورنس کمپنیوں سے معاملہ کر سکتے ہیں تاہم ہر اسلامی بینک کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ جونہی تکافل کا وجود سامنے آئے ، وہ اپنے معاملات کو تکافل کے ساتھ جوڑیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں "اھون البلیتین" کے قاعدے کو اختیار کیا گیا ،جس کی شرعاً گنجائش ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بینکوں میں جو انشورنس کرانا قانوناً ضروری ہے ، بعض علماءِ عرب کے نظریئے کے مطابق اس کی شرعاً گنجائش ہے اگر چہ علماءِ پاکستان وہندوستان اس بات پر متفق ہیں کہ مروّجہ انشورنس کی تمام صورتیں شرعاً ناجائز ہیں ، البتہ مجبوری کے پیشِ نظر بعض معاصر علماء نے عرب کے علماء کے قول کے بنیاد پر اس شرط پر صرفِ نظر کیا کہ مروّجہ انشورنس کا جائز متبادل سامنے آتے ہی یہ بینک اپنے معاملات کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کے پابند ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ دونوں آراء دیانتداری پر مبنی تھیں ، اسلئے کسی پر طعن کرنا یا کیچڑ اچھالنے کی پالیسی اختیار کرنا مناسب نہیں۔

چوتھا مسئلہ :شرحِ سود کو معیار بنانا (Interest Rate as a Bench mark)

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک عام طور پر مروّجہ بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار(Bench marak)کے طور پر استعمال کر کے اپنے نفع یا کرایہ کا تعین کرتے ہیں جیسے پاکستان میں کائبور(KIBOR)کو معیار بنایا جاتا ہے۔اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

جواباً عرض ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ شرح سود کو جائز نفع یا کرائے کے لئے معیار کے طور پر استعمال کرنا ہرگز پسندیدہ نہیں لیکن اگر اسلامی بینک خرید وفروخت (Sale) یا اجارہ کی دیگر تمام شرائط کی پابندی کرتا ہے تو محض شرح سود کو معیار بنانے کی وجہ سے اس معاملے کو ناجائز کہنا درست نہیں۔

اس بات کو بذریعہ مثال اس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔خالد کو سو روپے کی ضرورت ہے وہ زید کے پاس قرض مانگنے کے لئے آتا ہے زید اسے کہتا ہے کہ میں تمہیں یہ رقم اس شرط پر قرض دوں گا کہ تم اس کے بدلے مجھے ایک سو دس روپے واپس کرو۔ظاہر ہے کہ یہ معاملہ سودی قرض کا ہے جو کہ حرام ہے خالد اسے چھوڑ کر احمد کے پاس آجاتا ہے احمد اس سے پوچھتا ہے کہ آپ کس ضرورت کے لئے یہ رقم قرض مانگ رہے ہیں ۔ خالد بتاتا ہے کہ میرے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں ، مجھے ان کے لئے پھل خریدنے ہیں احمد اسے سو روپے قرض دینے کے بجائے بازار سے سو روپے کے پھل خریدتا ہے ان پر قبضہ کرنے کے بعد ایک سو دس روپے میں خالد کو بیچ دیتا ہے۔احمد نے خالد کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ خرید وفروخت کا ہے کہ پہلے اس نے بازار سے سو روپے کے پھل خریدے ، اس پر قبضہ کیا اور پھر اسے خالد کے ہاتھ فروخت کیا۔اگر دیکھا جائے تو احمد کے معاملے کی زید کے معاملے کے ساتھ اس اعتبار سے مشابہت ہے کہ زید نے سو روپے پر جتنے سود کا مطالبہ کیا تھا ، احمد نے بھی سو روپے کے پھلوں پر اتنا ہی نفع کمایا ،لیکن شرعی اصولوں سے واقفیت رکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہے گا کہ احمد کا کمایا ہوا نفع حرام ہے اسلئے کہ اس کی مقدار اتنی ہی ہے جتنی زید نے سودی قرضہ دینے کے لئے سود کی طے کی

تھی بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اگر احمد نے خرید وفروخت کے متعلق شریعت کے احکام کی پابندی کی ہے تو پھر محض اتنی مشابہت سے یہ معاملہ ناجائز نہیں ہوا، لہذا اگر اسلامی بینک مرابحہ، اجارہ اور ہوم مشارکہ میں شریعت کے طے کردہ اصولوں کی پابندی کرتا ہے تو محض بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار مقرر کرنے سے اس کا معاملہ ناجائز نہیں ہوتا۔

متبادل کی تلاش بھی کرنی چاہیئے:

البتہ اس کو جائز نفع کے لئے بطور معیار (Bench mark) مقرر کرنے میں چونکہ ظاہر نظر میں اس کی قدرے مشابہت سودی معاملات سے ہوجاتی ہے، اسلئے پسندیدہ بات یہ ہے کہ اسلامی بینک اس ظاہری مشابہت سے بھی بچنے کی پوری کوشش کریں تاہم ہمیں اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک شرح سود کو کیوں معیار بناتے ہیں اور اس کا متبادل تلاش کرنے میں انہیں فی الحال کن مشکلات کا سامنا ہے۔

بینکوں کے باہمی شرح سود کا پس منظر یہ ہے کہ عام طور پر مختلف بینک ایک جیسے حالات میں نہیں چل رہے ہوتے، بعض بینک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ضرورت سے زائد رقم ہوتی ہے جبکہ بعض بینکوں کے پاس فنانس کے لئے رقم کم ہوتی ہے تو جن بینکوں کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان بینکوں سے قرضہ لیتے ہیں، جن کے پاس رقم زائد ہوتی ہے، قرضہ دینے والا بینک ایک مخصوص شرح سود پر قرض دیتا ہے اسے Inter Bank Offered Rate کہاجاتا ہے یعنی بینکوں

کے باہمی معاملات میں پیش کیا گیا شرح سود۔ اس کا مخفف IBOR ہے۔ پاکستان میں عام طور پر کراچی کے بینکوں کا شرح سود بطور پیمانہ استعمال ہوتا ہے جسے کائبور یعنی Karachi Inter Bank Offered Rate کہتے ہیں۔

اگر پاکستان میں اسلامی بینک کائبور کو چھوڑ کر کوئی اسلامی معیار بنانا چاہیں تو ظاہر ہے کہ اسکے لئے اسلامی بینکنگ کی ایک بڑی مارکیٹ کا وجود میں آنا ضروری ہے، الحمد للہ، پاکستان میں بھی آہستہ آہستہ یہ مارکیٹ ترقی کررہی ہے۔ بعض معاصر علماء نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اسلامی بینک حقیقی اثاثوں کی بنیاد پر قابل تبادلہ دستاویزات (Transferable Instruments) تیار کریں جیسے کرائے پر دی گئی اشیاء اور جائیداد کے حصص۔ جس بینک نے اپنے جامد اثاثے کرائے پر دیئے ہوں، وہ ان کے حصص بنالے۔ اور جس اسلامی بینک کے پاس ضرورت سے زائد نقد رقم ہو تو وہ یہ حصص ان کی صافی مالیت (Net Asset Valne) کی بنیاد پر خریدے۔ (ان حصص کی صافی مالیت کا تعین وقفے وقفے سے کیا جاسکتا ہے۔) اور جس اسلامی بینک کے پاس ضرورت سے زائد حصص ہوں وہ انہیں فروخت کردے، اس طرح ایک اسلامی انٹر بینک مارکیٹ وجود میں آجائیگی۔ اسلامی بینک مرابحہ، اجارہ اور دیگر تمویلی طریقوں میں ان حصص کی صافی مالیت کو اپنے نفع یا کرایہ کے تعین کے لئے بطور معیار (Bench mark) استعمال کرسکے گا۔ اس طرح کائبور کا ایک شرعی متبادل سامنے آئیگا۔

Liability Side میں اسلامی بینک کا کنوینشنل بینک سے فرق :

گزشتہ تفصیل اسلامی بینک کے اس حصہ سے متعلق ہے، جسے اثاثہ جاتی حصہ (Asset Side) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ اسلامی بینک کے ذمہ داری والے حصہ (Liability Side) کا جائزہ لیتے ہیں جس میں اسلامی بینک مختلف ڈیپازیٹرز سے ان کی رقوم وصول کر کے انہیں اپنے نفع میں شریک کرتا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اسلامی بینک کے اس حصے کا بھی کنوینشنل بینک کے ساتھ تقابل کر کے پیش کیا جائے تاکہ تصویر کا صحیح رخ ہمارے سامنے آسکے۔

کنوینشنل اور اسلامی بینک کا کرنٹ اکاؤنٹ ایک جیسا ہے:

ایک کنوینشنل بینک اپنے ڈیپازیٹر سے جو رقم لیتا ہے خواہ وہ کسی بھی اکاؤنٹ کے لئے لے، شرعی طور پر وہ قرض ہوتی ہے اسلئے کہ کنوینشنل بینک ہر اکاؤنٹ ہولڈر کو اس بات کی گارنٹی دیتا ہے اس کی دی ہوئی رقم ضرور واپس کی جائیگی اور ہر وہ سرمایہ جس کی واپسی مضمون (Guaranted) ہو، قرض کہلاتا ہے۔ اب اگر وہ کرنٹ اکاؤنٹ ہے تو کنوینشنل بینک اس پر کوئی اضافی رقم نہیں دیتا بلکہ صرف اصل رقم واپس لوٹانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کنوینشنل بینک کا یہ معاملہ کسی شرعی اصول کے خلاف نہیں لہذا اسلامی بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں بھی بعینہ یہی طریقہ رائج ہے البتہ ڈیپازیٹر کو چاہئے کہ اگر وہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھنا چاہتے ہیں تو کنوینشنل کے بجائے اسلامی بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم

رکھوائیں تاکہ انکا سرمایہ سودی قرضوں میں استعمال ہونے کے بجائے جائز اسلامی تمویلی طریقوں میں استعمال ہو۔

دیگر اکاؤنٹس میں فرق:

کرنٹ اکاؤنٹ کے علاوہ دیگر اکاؤنٹس جیسے سیونگ اکاؤنٹ اور فکس ڈیپازٹ (Fix Deposit) وغیرہ کے اندر کنوینشنل بینک اپنے ڈیپازیٹر سے سودی قرضہ لیتا ہے۔

گویا ایک کنوینشنل بینک اپنے ڈیپازیٹر سے سرمایہ لیکر اسے یہ یقین دلاتا ہے کہ آپ کا سرمایہ محفوظ ہے اور مقررہ وقت پر اضافی مارک اپ (Mark Up) کے ساتھ آپ کو یہ رقم واپس ملیگی۔

کیسے ملیگی؟ ڈیپازیٹر کی یہ رقم کہاں خرچ ہوگی؟ بینک اس پر کتنا کمائیگا؟ اس کمائی میں ڈیپازیٹر کا حصہ کیا ہوگا؟ ان سب باتوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اب بینک ڈیپازیٹر کی رقم سے سو فیصد کمائے یا کچھ نہ کمائے، وہ ہر حال میں اپنے کلائنٹ کو اضافی طے شدہ سود دینے کا پابند ہوتا ہے، گویا ڈیپازیٹر اور بینک کا آپس میں جو تعلق (Relation) قائم ہوتا ہے، اس کا اس تعلق سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا جو بینک اور کلائنٹ (بینک سے سودی قرضہ اور فنانس حاصل کرنے والے) کے درمیان ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ایک اسلامی بینک اپنے نفع بخش اکاؤنٹ میں جو رقم لیتا ہے، وہ مضاربہ یا مشارکہ کی بنیاد پر ہوتی ہے اور شرعی اعتبار سے ڈیپازیٹر کی یہ رقم

بینک کے پاس امانت ہوتی ہے یعنی اگر بینک کی کسی تعدی (Negligence) اور کوتاہی کے بغیر وہ رقم یا اس کا کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو بینک اس کی ادائیگی کا ضامن نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹر سے رقم لینے کے بعد اس پر پردہ نہیں ڈالتا بلکہ اسے اپنی تمویلی سرگرمیوں میں شریک کرلیتا ہے جس میں ڈیپازیٹر کی حیثیت رب المال (سرمایہ فراہم کرنے والے افراد) یا خوابیدہ شریک (Sleeping Partner) کی ہوتی ہے جبکہ اسلامی بینک بطور مضارب یا عملی شریک (Working Partner) کام کرتا ہے اور بینک اپنے تمویلی طریقوں جیسے مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ وغیرہ کے ذریعے جو نفع کماتا ہے اس کا متناسب (Proportional) حصہ اپنے ڈیپازیٹر کو دیتا ہے جو پہلے سے طے ہوتا ہے مثلاً یہ طے ہوتا ہے کہ بینک جو بھی نفع حاصل کرے گا اس کا پچاس فیصد بینک اور پچاس فیصد ڈیپازیٹر لیگا۔

چونکہ اسلامی بینک اپنی تمویلی سرگرمیوں سے حاصل ہونے والے نفع کے متناسب حصہ میں اپنے ڈیپازیٹر کو شریک کرتا ہے، اسلئے ڈیپازیٹر، بینک اور کلائنٹ کے درمیان ایک زنجیر (Chain) قائم ہوجاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی بینک اپنے کلائنٹ سے جو نفع کماتا ہے، اس کا اثر ڈیپازیٹر کو ملنے والے نفع پر پڑتا ہے، لہذا اگر اسلامی بینک زیادہ ریٹ پر فنانس کرتا ہے تو اس کے ڈیپازیٹر کو ملنے والا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور کم ریٹ پر فنانس کرنے کی صورت میں اسے کم نفع ملتا ہے اور یہی شریعت کا اصول ہے۔

اسلامی بینک پہلے سے نفع متعین نہیں کرسکتا:

یہاں یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹر سے سرمایہ لیتے وقت اسے ہر حال میں واپسی کی گارنٹی نہیں دے سکتا اور نہ ہی شروع میں حتمی طور پر یہ بتا سکتا ہے کہ وہ اسے اتنا نفع دیگا، خصوصاً ڈیپازیٹر کے سرمایہ (Capital) سے نسبت متعین کرکے حتمی طور پر بتلانا ہرگز جائز نہیں مثلاً اسلامی بینک یوں کہے کہ ہم آپ کو آپکی رقم پر دس فیصد نفع دیں گے، اس سے شرکت ومضاربت کا عقد فاسد (Void) ہوجائیگا، البتہ جب بینک اپنی کسی ٹرم (Term) کے اختتام پر ڈیپازیٹر کو حاصل ہونے والے نفع میں متناسب حصہ دے تو اس حاصل ہونے والے نفع کی اصل رقم سے نسبت معلوم کرنا اور اسے بیان کرنا شرعاً ناجائز نہیں۔

اس بات کو بذریعہ مثال یوں سمجھا جاسکتا ہے۔ بینک ''الف'' نے اپنے ڈیپازیٹر ''ب'' سے سو روپے کا ڈیپازٹ لیا اور اس پر بیس روپے نفع کمایا، بینک نے حاصل شدہ نفع کا پچاس فیصد خود رکھا اور پچاس فی صد ڈیپازیٹر کو دیا، اس طرح ڈیپازیٹر کو اپنی دی گئی رقم پر دس روپے مل گئے، یہ دس روپے اصل میں تو حاصل ہونے والے نفع کا پچاس فیصد ہیں البتہ اگر ڈیپازیٹر کے سرمایہ کے اعتبار سے اس کی نسبت معلوم کی جائے تو یہ اصل سرمائے کا دس فیصد ہوگا۔

لہذا اگر اسلامی بینک اپنے نفع کا اعلان کرتے وقت یہ بتلادے کہ ہم نے اپنے ڈیپازیٹرز کو ان کے سرمایہ پر دس فیصد نفع دیا تو اس کی گنجائش ہے لیکن

شروع میں اصل سرمایہ پر کوئی حتمی ریٹ نہیں بتایا جاسکتا۔ ایک تو اسلیئے کہ اس سے خود شرکت یا مضاربت کا عقد ناجائز ہوجاتا ہے دوسرے اسلیئے کہ عام طور پر اسلامی بینک کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس سرمایہ پر کتنا نفع کمائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اسلامی بینک نفع تقسیم کرنے کے بعد یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے اس سال اپنے ڈیپازیٹرز کو دس فیصد نفع دیا تو اس کا یہ طریقہ شرعی اصولوں کے متصادم نہیں۔

شخصی غلطی کو نظام کی غلطی قرار دینا درست نہیں

گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اس وقت موجود اسلامی بینکوں کا طے شدہ طریقہ کار اسلامی اصولوں کے خلاف نہیں، اسلیئے ان بینکوں میں رقم جمع کرانے اور ان کی تمویلی سہولتوں سے فنانس حاصل کرنا جائز ہے لیکن یہاں یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ اسلامی بینک کے معاملات کی نگرانی کرنے کیلیئے ہر بینک میں ایک شریعہ ایڈوائزر مقرر ہوتا ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر اسلامی بینک کے سو فیصد معاملات یقیناً اسی طریقے کے مطابق انجام پاتے ہیں جو ان کیلیئے طے کیا گیا ہے بلکہ اس بات امکان بہرحال ہے کہ کسی اسلامی بینک کی کسی برانچ میں کوئی نہ کوئی معاملہ صحیح شرعی طریقۂ کار کے مطابق انجام نہ پایا ہو، بینک ملازم یا کلائنٹ کی لاعلمی کی وجہ سے یا زیادہ نفع کے لالچ میں آکر شرعی احکام کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے، سبب خواہ کوئی بھی ہو، انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ غلطی اس شخص کی ذاتی غلطی متصوّر ہوگی، اسے پورے نظام کی غلطی قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

اس کی مثال بعینہ ایسے ہی ہے جیسے اسلام میں وضو کرنے کا ایک طریقہ

متعین ہے لیکن کوئی شخص لاعلمی میں یا جلدی میں اس طرح وضو کربیٹھتا ہے کہ سر کا مسح نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ نہیں سمجھا جائیگا کہ اسلام نے وضو کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے، اس میں سر کا مسح نہیں بلکہ ہر صاحبِ عقل یہی کہے گا کہ یہ اس شخص کی ذاتی غلطی ہے ورنہ وضو سے متعلق اسلامی احکام بالکل واضح اور اظہر من الشمس ہے۔

صحیح معلومات حاصل کرنے کا طریقہ

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت اسلامی بینکاری سے متعلق خاطر خواہ معلومات رکھنے والے افراد کی بہت کمی ہے، اسلیئے مختلف ادارے مسلسل اسلامی بینکاری کی تربیت دینے میں مصروف عمل ہیں تاہم یہ تربیت حاصل کرنے والوں میں اکثریت ان افراد کی ہے جو کنوینشنل بینکوں میں سالہاسال تک کام کرتے آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلامی بینکاری کے کسی ایک کورس سے گہرا رسوخ بھی حاصل نہیں ہوتا، اسلیئے بعض مرتبہ اسلامی بینکوں میں بیٹھے ملازمین بھی اسلامی تمویلی طریقوں کو صحیح انداز میں بیان نہیں کرپاتے خصوصاً جب انہیں دینی علوم میں دسترس کے حامل کسی شخص سے گفتگو کرنی پڑے، تو وہ انہیں صحیح بات نہیں سمجھا پاتے، جس سے یہ تأثر لیا جاتا ہے کہ رائج اسلامی بینکاری شرعی اصولوں پر پوری نہیں اترتی۔ یہ طرزِ عمل درست نہیں۔ حق کے متلاشی کو صرف ایک بینک ملازم سے ملاقات پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ اس بینک کے شریعہ ایڈوائزر سے معاملے کی پوری حقیقت سمجھے ورنہ کم از کم چند بڑے اور اسلامی بینکاری سے متعلق بہتر معلومات رکھنے والے افراد سے رہنمائی حاصل کرے۔ اس طرزِ عمل سے انشاء اللہ اسلامی بینکاری کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد ملیگی۔

چند توجہ طلب پہلو:

اب ہم اسلامی بینکوں کے چند اُن پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں، جن میں بہتری یا تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔

۱۔ جیسا کہ اس رسالے کے شروع میں گذرا کہ اگر مرابحہ، اجارہ وغیرہ جیسے معاملات کو شرعی احکام کے مطابق انجام دیا جائے تو ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن یہ پسندیدہ تمویلی طریقے نہیں اسلئے اسلامی بینکوں کو صرف انہی پر اکتفاء کرنے کے بجائے کلائنٹ سے مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر بھی فنانس کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ موجودہ حالات میں یہ کوشش قابلِ اطمینان حد تک نہیں ہو رہی۔

۲۔ اگرچہ اسلامی بینکوں کے ملازمین مختلف اداروں سے تربیت حاصل کر رہے ہیں لیکن ابھی اس سلسلے میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، بیرونی اداروں سے تربیت حاصل کرنے کے علاوہ ان ڈور (Indoor) سطح پر بھی اسے موضوع بحث لانے کی ضرورت ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر برانچ میں موجود کوئی ایسا شخص جو بہتر طور پر معلومات رکھتا ہو، وہ دوسرے اسٹاف کے ساتھ اپنی معلومات شیئر کرے، کچھ وقت نکال کر باہمی بحث ومباحثہ (Discussion) بھی کیا جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں متعلقہ شریعہ ایڈوائزر کی رہنمائی حاصل کی جائے۔

۳۔ جس طرح اسلامی بینک کے اسٹاف کے لئے مذکورہ معلومات کا حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح اسلامی بینک کے کلائنٹ کے پاس بھی صحیح معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ آج کل عام طور پر اسلامی بینکوں کے کلائنٹس کے پاس صحیح معلومات کا ذخیرہ نہیں ہوتا اسلئے بعض مرتبہ کلائنٹ کی کسی غلطی کی وجہ سے

بھی معاملہ فاسد (Viod) ہوجاتا ہے، اسلئے ان کی تربیت اور انہیں مناسب معلومات فراہم کرنے کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔

۴۔ ایک اہم بات جس کی شکایت بہت سے لوگوں کو کرتے دیکھا ہے، یہ ہے کہ اسلامی بینکوں میں کام کرنے والے افراد کا لباس اور وضع قطع بھی اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح کنوینشنل بینکوں میں کام کرنے والے افراد کی ہوتی ہے، اسی طرح کنوینشنل بینکوں کی طرح اسلامی بینکوں میں بے پردہ خواتین کام کرتی ہیں۔ بلاشبہ یہ دونوں توجہ طلب پہلو ہیں اور اسلامی بینکوں کو چاہیئے کہ وہ اس سلسلے میں ممکنہ جلدی کے ساتھ مثبت قدم اٹھائیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسلامی بینک کے ساتھ معاملہ کرنے والے ڈیپازیٹرز اور کلائنٹس مناسب طریقے سے ان پر دباؤ ڈالیں تو اس کے بہت مفید اثرات سامنے آسکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک مذکورہ تبدیلی عملی طور پر نہیں آجاتی، اس وقت تک انہیں اسلامی بینک کہنا ہی جائز نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہیں اسلامی بینک کہنے کا مطلب صرف اور صرف اتنا ہے کہ ان میں ہونے والے مالی معاملات شرعی اصولوں سے متصادم نہیں۔

اس وقت پاکستان سمیت کتنے ہی اسلامی ملکوں میں اسلامی یونیورسٹیوں یا عام یونیورسٹیوں کے ''کلیہ معارف اسلامیہ'' میں پینٹ شرٹ میں ملبوس افراد اور بے پردہ خواتین نظر آتی ہیں لیکن آج تک کسی مفتی صاحب کا ان یونیورسٹیوں کو غیر اسلامی یونیورسٹیاں یا ان کلیات کو غیر اسلامی کلیات قرار دینے کا فتویٰ احقر کی نظر سے نہیں گذرا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان اداروں کو ''اسلامی'' کہنے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ان میں اسلامیات سے متعلق نصاب کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ ان اداروں میں پڑھنے والے ہر فرد کی وضع

قطع بھی شریعت کے مطابق ہے ۔ اگر ان اداروں کو اسلامی کہنے کی گنجائش ہے تو ان بینکوں کو بھی اسلامی کہنا ناجائز نہیں ۔ تاہم اس بات کی ضرورت بہر حال ہے کہ اسلامی بینکوں سے مذکورہ خرابی کا ازالہ جلد از جلد کیا جائے ۔

حقیقت حال:

البتہ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ بات اسلامی بینکوں کو عذرِ گناہ فراہم کرنے کیلئے نہیں بلکہ حقیقتِ حال کی عکاسی کے طور پر عرض کررہا ہوں ۔ وہ یہ کہ اس وقت امّت مسلمہ مجموعی طور پر اپنی ذاتی وشخصی زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہے ، اس وقت پاکستان سمیت کتنے ہی اسلامی ممالک ایسے ہیں جہاں بے پردگی عام ہے بلکہ بعض اسلامی ممالک تو ایسے بھی ہیں جہاں شرعی پردہ کرنا قانوناً منع ہے اور بعض اسلامی ممالک ایسے بھی ہیں جہاں کا قومی لباس ہی پینٹ شرٹ ہے اور پاکستان میں اس وقت کتنے ہی کارخانے، فیکٹریاں ، دفاتر حتیٰ کہ تعلیمی ادارے ایسے ہیں جہاں بے پردہ خواتین اور مغربی وضع قطع میں ملبوس مسلمان نظر آتے ہیں ۔ شاید یہ صرف اسلامی بینکوں کا المیہ نہیں بلکہ پوری امّت کا اجتماعی مسئلہ ہے جو مغرب کی غلامی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ۔ اسلئے اس کے حل کیلئے ایک جامع منصوبہ بندی اور عالمگیر دعوتی نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم زندگی کے ہر میدان میں اسلامی احکام کی بہاریں دیکھ سکیں ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ظاہر وباطن کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین .